کا منصب حاصل تھا لیکن انھوں نے اپنی ذہنی اور قلبی بےچینی کی وجہ سے اس عزت و وجاہت کو خیرباد کہہ دیا اور برسوں تلاش حق میں دشت و جبل کی خاک چھانتے پھرے، اس دشت نوردی میں خدا نے ان کو وہ روحانی سکون اور اطمینان قلب عطا کیا جو انھیں منصب صدارت میں بھی حاصل نہ تھا، اور ان پر دنیا کے اعزاز و اکرام کی اصل حقیقت منکشف ہو گئی، اس انقلاب کے بعد انھوں نے متعدد دینی و اخلاقی کتابیں لکھیں، جن میں سب سے زیادہ مشہور، متداول اور مفید کتاب احیاء العلوم ہے، زیر تبصرہ کتاب منہاج العابدین بھی اسی سلسلہ کی آخری کڑی ہے، یہ ان کی آخری کتاب ہے جسے انھوں نے اپنے مخصوص تلامذہ کے علاوہ کسی کو املا نہیں کرایا تھا، لیکن اس میں خیالات کا وہ ربط و انضباط نہیں محسوس ہوتا جو ان کی اول الذکر کتاب میں ہے، معلوم نہیں یہ کمی اصل کتاب میں ہے یا ترجمہ سے پیدا ہو گئی ہے، لیکن اس کے باوجود امید ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے ایمانی کیفیت میں زیادتی اور تعلق مع اللہ میں استواری پیدا ہو گی۔

ہمدرد عطار۔ متوسط تقطیع، کاغذ کتابت و طباعت اچھی، صفحات ۹۶ قیمت ۱۲ؔ پتہ: ادارہ مطبوعات ہمدرد، ہمدرد دواخانہ (وقف) دہلی۔

علاج اور دواؤں کے سلسلہ میں عطاروں کی بھی بڑی اہمیت ہے لیکن عموماً وہ اپنے فن اور فرائض سے ناواقف ہوتے ہیں اسلیے ہمدرد دواخانہ نے عطاری کی تعلیم کیلئے یہ مفید کتاب شائع کی ہے، اس میں ان کے کاموں اور فرائض سے متعلق تمام ضروری باتیں، دواخانہ کی صفائی، آرایش، دواؤں کی نگہداشت، ڈاٹ نکالنے، بوتلوں کو دھونے، دواخانہ کے آلات، دواؤں کے ناموں کے لیبل، نسخہ بندی، دواؤں کی ناپ تول، ترکیب استعمال، مقدار، اصطلاحی ناموں، خاصیات، مقام پیدائش، مریضوں کی غذا، اور استعمال نسخہ وغیرہ کے متعلق ہدایات درج ہیں، اس کے مطالعہ سے ایک عام آدمی بھی تربیت یافتہ عطار بن سکتا ہے اس لیے عطاروں کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

م۔ ج

جلد ۸۶ ماہ جمادی الاول ۱۳۸۰ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۶۰ء عدد ۵

مضامین

شذرات

قانونی حیثیت سے اردو کے حقوق حاصل کرنے کے جو ذرائع ہیں ان میں سب سے بڑا ذریعہ اردو بولنے والوں کی تعداد ہے، ہندوستان کی مردم شماری کا زمانہ بہت قریب آگیا ہے، اس میں زبان شماری بھی ہوگی، اور انکے بولنے والوں کی تعداد کے لحاظ سے زبانوں کو حقوق ملیں گے، اس لیے اردو کے ساتھ حکومت کا طرز عمل جو بھی ہو لیکن قانونی حیثیت سے اس کے حقوق کا دار ومدار بڑی حد تک اس کے بولنے والوں کی تعداد پر منحصر ہے، گذشتہ مردم شماری کی طرح اس مرتبہ بھی اس کا اردو دشمن عملہ اردو زبان کے اندراج میں دھاندلی سے کام لے گا، خصوصاً دیہاتوں اور ان پڑھ لوگوں کی زبان لکھنے میں اس کا زیادہ موقع ملے گا، اس لیے اردو بولنے والوں کو ابھی سے اس کے مقابلہ کی تیاری کرنا چاہیے، چھوٹے چھوٹے دیہاتوں میں بھی جہاں اردو بولنے والے موجود ہیں، دو چار خواندہ ضرور مل جائیں گے، اگر وہ زبان کے اندراجات کی پوری نگرانی کریں تو مردم شماری کرنے والوں کو خیانت کرنے کا موقع کم ملے گا، یہ کوئی مستقل کام نہیں ہے، صرف مہینہ ڈیڑھ مہینے کا معاملہ ہے، اسلیے تھوڑی سی توجہ سے ہوسکتا ہے، اس کام میں ان سب جماعتوں کو پوری سرگرمی سے حصہ لینا چاہیے جن کو اردو کے مسئلہ سے تعلق ہے، انجمن ترقی اردو کا اخبار "ہماری زبان" مردم شماری کے متعلق ہدایات شائع کرتا رہتا ہے، ان کو دیکھ کر ان کے مطابق عمل کرنا چاہیے،

گو یہ واقعہ افسوسناک ہے، مگر حقیقت ہے کہ اردو بولنے والے اپنی زبان کی حق تلفی کی شکایت تو برابر کرتے رہتے ہیں لیکن اس کے لیے عملی جد وجہد کی توفیق کم لوگوں کو ہوتی ہے، خصوصاً اس صوبہ میں جو اردو کا سب سے بڑا مرکز ہے

صرف عوام بلکہ خواص اور تعلیم یافتہ طبقہ میں بھی اردو کیجانب سے بڑی لاپروائی ہے، یہاں کتنے مقامات ایسے ہیں جہاں انجمن ترقی اردو کی شاخیں قائم ہیں اور اردو کے لیے کوئی عملی کام ہوتا ہے، مرکزی انجمن اضلاع، قصبات اور دیہاتوں تک تو کام نہیں کرسکتی، یہ ان مقامات کے باشندوں کا کام ہے کہ وہ اپنے یہاں انجمن کی شاخیں قائم کرکے انجمن کے کاموں میں اس کا ہاتھ بٹائیں اور جو مشکلات پیش آئیں ان میں صوبائی اور مرکزی انجمن کی طرف رجوع کریں، اس وقت سب سے مقدم کام یہ ہے کہ اردو کی دستخطی مہم کی طرح مردم شماری کی مہم کو بھی پوری سرگرمی اور جوش و خروش سے چلایا جائے ورنہ اگر اس مرتبہ بھی اردو بولنے والوں کی صحیح تعداد درج نہ ہوسکی تو اسکے حقوق ملنے میں اور بھی دشواری ہوگی،

اردو میں خالص علمی وتحقیقی رسالوں کی بڑی کمی ہے، خصوصاً اسلامی علوم وفنون کے رسالے تو نہ ہونے کے برابر ہیں، ان حالات میں یہ مسرت کا مقام ہے کہ ادارۂ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی نے مجلہ علوم اسلامیہ کے نام سے ایک ششماہی رسالہ نکالا ہے، اس کا پہلا ہی نمبر اسکے روشن مستقبل کا پتہ دیتا ہے، بیشتر لکھنے والے اردو کے ممتاز اصحاب علم وقلم اور اکثر مضامین مفید اور بلند پایہ ہیں، ضخامت کے لحاظ سے پوری کتاب ہے، خوبصورت ٹائپ میں چھپا ہے، اس لیے ظاہری اور معنوی دونوں حیثیتوں سے یہ رسالہ ادارہ کی شان کے مطابق ہے، اس کے اجراء سے ایک بڑی ضرورت پوری ہوگئی جس کے لیے اصحاب ادارہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

کیا اچھا ہوتا کہ ادارہ علوم اسلامیہ اور اسکا رسالہ دینی علوم پر تحقیقات اور تحقیقی مضامین کو اپنے دائرے میں شامل کر لیتے، ہمارے سامنے جامعہ عثمانیہ کے شعبۂ دینیات کے تحقیقی مقالوں کا نمونہ موجود ہے جس نے جدید تقاضوں کے مطابق دینی علوم پر نہایت مفید اور محققانہ مواد فراہم کردیا ہے، یہ صحیح ہے کہ شعبۂ اسلامیات دینی شعبہ نہیں ہے، اس کے لیے شعبۂ دینیات موجود ہے لیکن اس کے پاس اس کام کے وسائل نہیں ہیں اور دینی علوم پر علمی تحقیقات مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ اسلامیات کے دائرے سے باہر بھی نہیں ہے، اور جدید مسائل و مباحث کی روشنی میں دینی علوم میں علمی و تحقیقی کاموں کی

بڑی گنجایش ہے، اسلیے اگر شعبۂ اسلامیات دوسرے علمی کاموں کیساتھ ساتھ اس کام کو بھی اپنے ذمہ لے تو بین علوم پر نہایت مفید علمی و تحقیقی مواد فراہم ہوجائیگا اور یہ ادارہ کا بڑا کارنامہ ہوگا

پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کو قائم ہوئے کئی سال ہو چکے ہیں، اب اس نے ایک بورڈ بنایا ہے جسکے صدر ڈاکٹر محمود حسین خان، سکریٹری معین الحق صاحب اور ممبران اشتیاق حسین قریشی، محمد بشیر، ابوبکر عبد الحلیم، شیخ محمد اکرم اور عبد العلیم صاحبان ہیں، اس سوسائٹی نے حال میں ہسٹری آف دی فریڈم موومنٹ کے نام سے تحریک آزادی کی تاریخ دو جلدوں میں شائع کی ہے، اس میں پاکستان کے علاوہ ہندستان کے بعض اہل قلم کے مضامین بھی علحدہ علحدہ ابواب میں ہیں، ان دونوں جلدوں میں ۱۸۵۷ء تک کی تاریخ ہے، آیندہ جلدوں میں اسکے بعد کی ہوگی، یہ سب مضامین محققانہ ہیں انکے بعض خیالات اور رایوں سے اختلاف کیا جاسکتا ہے لیکن مضامین کا لہجہ متین و سنجیدہ ہے، یہ دیکھکر مسرت ہوئی کہ ان مضامین میں دار المصنفین کی تاریخ ہند کے سلسلہ کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، ہم کو توقع ہے کہ آیندہ اس کے جو حصے شائع ہوں گے، ان میں کوئی ایسی بات نہ لکھی جائے گی جس سے ہندستان کے لوگوں کو شکایت اور دونوں ملکوں میں کوئی تلخی پیدا ہو، ضرورت اسکی ہے کہ دونوں ملکوں میں جو تاریخیں لکھی جائیں ان میں ایک دوسرے کو قریب لانے کی کوشش کیجائے۔

لکھنؤ کے گذشتہ سیلاب میں دار العلوم ندوۃ العلما کی عمارتوں کو بھی نقصان پہنچا اور بعض ایسی عمارتیں مسمار ہوگئیں جن کے بغیر کام نہیں چل سکتا اور ان کی فوری تعمیر ضروری ہے، نقصان کا تخمینہ تیس اور چالیس ہزار کے درمیان ہے، اس کے لیے ناظم صاحب ندوۃ العلماء کیجانب سے اخبارات میں اپیل شائع ہو چکی ہے، اتنی رقم اصحاب ثروت مسلمانوں کی توجہ سے بہت آسانی سے فراہم ہوسکتی ہے ادھر چند سال کے اندر دار العلوم میں جو ترقیاں ہوئی ہیں اور آیندہ جو منصوبے پیش نظر ہیں ان میں اس نقصان سے بڑی رکاوٹ پیدا ہوگئی ہے اسلیے ہم کو توقع ہے کہ اصحاب خیر مسلمان اس کام میں پوری امداد کریں گے،

مقالات

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تہوار

از

جناب سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب ایم اے

عہد رسالت میں مسلمانوں نے دو ہی تہوار منائے، عید الفطر اور عید اضحیٰ، کچھ عرصہ کے بعد شب برات کی حیثیت بھی تہوار ہی کی ہوگئی، یہ تینوں تہوار مذہبی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن مسلمان ہندوستان آئے تو اپنے ساتھ ایران بلکہ وسط ایشیا کا قومی تہوار جشن نوروز بھی ساتھ لائے اور اس کو اس دھوم دھام سے مناتے کہ مذکورۂ بالا تینوں تہوار سے اس کا جشن بڑھ جاتا، اس مضمون میں ان ہی تہواروں کا ذکر ہے،

عہد تغلق کی عید ابن بطوطہ نے عہد تغلق کی عید الفطر کی جو قلمی تصویر کھینچی ہے اس سے سلاطین دہلی کے پورے دور کے جشن عید کا اندازہ ہوگا، ابن بطوطہ کا یہ بیان تمدنی حیثیت سے بھی بہت ہی پُراز معلومات ہے، اس لیے امید ہے کہ اس کی طوالت ناظرین کے لیے گراں خاطر ہونے کے بجائے دلچسپی کا باعث ہوگی۔

وہ لکھتا ہے کہ عید کی پہلی رات کو بادشاہ اپنی طرف سے امیروں، مصاحبوں، مسافروں، متصدیوں، حاجبوں، نقیبوں، افسروں، غلاموں اور اخبار نویسوں کے لیے ایک ایک خلعت ہر ایک کے درجہ کے مطابق بھیجتا ہے، جب صبح ہوتی ہے تو ہاتھی سجائے جاتے ہیں، ان پر ریشم کی طلائی اور جڑاؤ جھولیں ڈالی جاتی ہیں، ان میں سے سو ہاتھی خاص بادشاہ کی سواری کے ہوتے ہیں، ان سب پر ایک ایک چھتر ہوتا ہے، جو ریشم کا بنا ہوا اور جواہرات سے جڑا ہوا ہوتا ہے، ہر ایک چتر کی ڈنڈی خالص سونے کی ہوتی ہے۔ اور ہر ایک ہاتھی پر جواہرت سے مرصع ایک ریشمی گدی رکھی جاتی ہے، ایک ہاتھی پر بادشاہ سوار ہوتا ہے اور اس کے آگے آگے زین پوش جن پر جواہرات جڑے ہوئے ہوتے ہیں، اور ایک علم بطور پرچم کے لے جاتے ہیں، ہاتھی کے آگے غلام اور مملوک پیادہ پا چلتے ہیں، ان میں سے ہر ایک کے سر پر چاچی ٹوپی یعنی ساشیہ ہوتی ہے اور کمر پر مطلا پیٹی میں بعض جواہرات لگے ہوئے ہوتے ہیں، اور بادشاہ کے آگے آگے نقیب بھی ہوتے ہیں جو تعداد میں تین سو ہوتے ہیں، ان میں ہر ایک کے سر پر پوستین کی کلاہ ہوتی ہے، کمر میں طلائی پٹی اور ہاتھ میں تازیانہ جس کا دستہ سونے کا ہوتا ہے اور صدر جہاں قاضی القضاۃ کمال الدین غزنوی اور صدر جہاں قاضی القضاۃ خوارزمی اور تمام قاضی ذی رتبہ پردیسی، عراقی، خراسانی، شامی اور مغربی سب ہاتھیوں پر سوار ہوتے ہیں، اس ملک میں سب پردیسیوں کو خراسانی کہتے ہیں، اور موذن بھی ہاتھیوں پر سوار ہوتے ہیں اور تکبیر کہتے ہوئے جاتے ہیں، بادشاہ اس ترتیب سے محل شاہی کے دروازے سے نکلتا ہے، اور لشکر باہر منتظر ہوتا ہے، ہر ایک امیر اپنی فوج کو لیے علیحدہ علیحدہ کھڑا ہوتا ہے، اور ہر ایک کے ساتھ نوبت نقارے والے بھی ہوتے ہیں، سب سے پہلے بادشاہ کی سواری بڑھتی ہے، بادشاہ کے آگے وہ لوگ ہوتے ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے، اور قاضی و موذن ہوتے ہیں جو تکبیر کہتے جاتے ہیں، بادشاہ کے پیچھے باجے والے ہوتے ہیں، اور ان کے پیچھے بادشاہ کے خدمت گار، پھر بادشاہ کے بھائی مبارک خاں کی سواری

مع اس کی فوج اور باجے کے ہوتی ہے، اس کے بعد بادشاہ کے بھتیجے بہرام خاں کی سواری، اسکے بعد بادشاہ کے چچا زاد بھائی ملک فیروز کی، پھر ملک مجیر ذی الرجا کی، پھر ملک قبولہ کی، پھر ملک نکبیہ کی، پھر ملک بغرا کی، پھر ملک مخلص کی، پھر قطب الملک کی، ہر ایک کے ساتھ لشکر اور باجے ہوتے ہیں، یہ لوگ جن کے نام لیے گئے ہیں وہ امرا ہیں جو ہمیشہ بادشاہ کی خدمت میں رہتے ہیں، وہ عید کے دن بادشاہ کے ساتھ نوبت نقارہ لے کر جاتے ہیں، اور باقی امیر بغیر نوبت کے جاتے ہیں، اور وہ درجہ میں چھوٹے ہوتے ہیں اور ہر ایک شخص عید کے دن جلوس میں مع اپنے گھوڑے کے زرہ پوش ہوتا ہے، جب بادشاہ عیدگاہ کے دروازے پر پہنچتا ہے تو وہ کھڑا ہو جاتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ قاضی موذن، امرا اور ذی رتبہ پردیسی پہلے داخل ہوں، بادشاہ آخر میں اترتا ہے، امام نماز شروع کرتا ہے، اسکے بعد خطبہ پڑھتا ہے،

عید کے دن دربار بڑی شان و شوکت سے سجایا جاتا، اس کی تفصیل بھی ابن بطوطہ نے لکھی ہے، اس روز تمام دیوان خانہ میں فرش بچھایا جاتا، اس کے صحن میں موٹے موٹے ستونوں پر بارگہ کھڑی کی جاتی، اس کے چاروں طرف خیمے ہوتے، ان میں رنگ برنگ کے ریشمی پھول اور پتے لگائے جاتے، دیوان خانے میں تین صفیں بنائی جاتیں، ان ہی کے درمیان سونے کی ایک چوکی لاکر رکھی جاتی، اور اس پر ایک گدی ہوتی جس پر رومال پڑا ہوا ہوتا، دیوان خانہ کے صدر میں ایک بڑا تخت رکھا جاتا، یہ تخت سونے کا تھا، اس پر جواہرات ٹکے ہوتے تھے، اس کا طول ۲۳ بالشت اور عرض اس سے آدھا تھا، اس کے علیحدہ علیحدہ ٹکڑے ہو جاتے، جب دیوان خانہ میں لاتے تو جوڑ لیتے، ایک ایک ٹکڑے کو کئی کئی آدمی اٹھاتے، اس کے اوپر ایک کرسی بچھاتے اور بادشاہ کے سر پر چھتر لگاتے، جب بادشاہ تخت پر بیٹھتا تو نقیب اور حاجب بلند آواز سے بسم اللہ کہتے، پھر ایک ایک شخص سلام کے واسطے آگے بڑھتا، سب سے پہلے خاص خطیب، پھر علما، پھر سادات

پھر شائخ، پھر بادشاہ کے اعزہ و اقربا، پھر ذی مرتبہ پردیسی، پھر وزراء پھر فوجی عہدیدار آگے بڑھتے اور سلام کر کے اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ رہتے۔ سلام کرتے وقت نذرانے بھی پیش کرتے جو رومال میں بندھے ہوتے، یہ نذرانے سونے کی ایک تھالی میں ڈالتے جاتے، اس میں سے بادشاہ بھی بخشش کرتا جاتا، سلام کے بعد کھانا آتا، اس روز سونے کی انگیٹھی میں عود، الائچی اور عنبر جلاتے رہتے تاکہ دربار کی فضا معطر رہے، سونے اور چاندی کے گلاب پاش سے پھولوں کے عرق بھی برابر چھڑکے جاتے، بادشاہ کے دائیں بائیں امرا کھڑے رہتے، اور بارگہ کا کوتوال ہاتھ میں سونے کی چھڑی لیے رہتا، اس کے نائب کے ہاتھ میں چاندی کی چھڑی ہوتی، یہ دونوں اہل دربار کو اپنی اپنی جگہ بٹھاتے اور صفوں کو سیدھی کرتے رہتے، وزیر اور کاتب ان کے پیچھے ہوتے، اس کے بعد رقص و سرود کی محفل گرم ہوتی، یہ نشست عصر کے وقت ہوتی، اس کے دوسرے دن دربار اسی ترتیب کے ساتھ ہوتا اور جشن جاری رہتا، تیسرے دن بادشاہ اپنے رشتہ داروں کے نکاح کی رسم ادا کراتا، چوتھے دن غلام آزاد کیے جاتے، پانچویں دن لونڈیاں آزاد ہوتیں، چھٹے دن غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح ہوتے اور ساتویں دن خیرات تقسیم کی جاتی۔[1]

عہد فیروز شاہی کی عید

فیروز شاہ کے عہد میں عید کا یہ جشن اسی شان و شوکت کے ساتھ منایا جاتا بلکہ اس میں کچھ اور اضافہ ہی ہوا، عفیف کا بیان ہے کہ عید کے روز کوشک فیروز آباد کے آٹھوں چمن میں آم کی پتیاں بڑی خوبصورتی سے سجائی جاتیں، محل باشیب میں بارگاہ نصب کی جاتی، اس کو بارگاہ بام کہا جاتا، اس کے دونوں طرف لکڑی کے باشیب تیار کیے جاتے، اور ہر قسم کے گدے بچھائے جاتے، بعض گدے ریشم اور بعض زرمینہ کے ہوتے، بعض پر نقرئی اور زریں کام ہوتا، بعض سفید کپڑے کے ہوتے اور بعض موم کے بنائے جاتے، تمام در و دیوار پر زرمینہ لپیٹا رہتا، صحن میں

[1] سفرنامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۱۰۹ - ۱۰۴

فرش ہوتا، اور وہاں ہر قسم کے تر و خشک میوے رکھے رہتے۔

چاشت کے وقت بادشاہ باہر آ کر محل کوشک میں قیام کرتا، پہلے بندگان تیغ دار حاضر ہوتے، دس چتر بادشاہ کے دائیں اور دس بائیں اور ایک خاص بادشاہ کے سر پر رکھے جاتے، ان میں سے بعض چتر سرخ، بعض سبز، بعض کنج، بعض بنفشی، بعض دو رنگے، بعض سیاہ، بعض سفید ہوتے، برسات میں مہلک رنگ کا چتر سر پر سایہ فگن ہوتا، چتر کے بعد کمسانی اور مکمل نشانات تخت کے سامنے سے گزارے جاتے، کمسانی نشانات ایک سو ستر رنگ کے ہوتے، اور بے حد خوبصورت نظر آتے، اس طرح تمام علمبردار اپنے اپنے مراتب کے مطابق محل کے اندر جاتے تھے، اس کے بعد بارگاہ کے زریں پوش گھوڑے محل میں داخل ہوتے، اس کے بعد طلائی اور نقرئی جھول سے آراستہ ہاتھی تخت کے سامنے زمین بوس ہو کر سلام کرتے اور دعا دیتے، پھر اپنی اپنی جگہ دائیں بائیں کھڑے ہو جاتے، ان کے بعد اکثر شکرہ داروں کے ساتھ ارباب شکرہ خانہ حاضر ہوتے، ان کے بعد مطرب آتے، جو زعفرانی لباس پہنے ہوتے، ان کے سروں پر سرخ دستار ہوتی، ان میں سے بعض مطربوں کا لباس بہت ہی مرصع اور مکلل ہوتا، بعض لباس کی قیمت چالیس ہزار تنکے ہوتے، مطربوں کے بعد قوالوں کا گروہ آتا، پھر اہل طرب آ کر رقص کرتے، اس کے بعد دربار کے خوانین، ملوک، امراء، علماء، مشائخ سلام کرنے کے لیے حاضر ہوتے، تمام اراکین سلطنت اپنے اپنے مرتبے کے مطابق اپنی اپنی جگہوں پر کھڑے رہتے،

جب دن کچھ چڑھ جاتا تو سلطان عید گاہ کے لیے روانہ ہوتا، اس کے ساتھ تمام لوگ دربار سے باہر آتے، سلطان ہاتھی پر سوار رہتا یا کبھی گھوڑے پر بھی ہوتا، ایک چتر بادشاہ کے سر پر سایہ فگن رہتا، دوسرا شہزادہ تغلق کے اوپر ہوتا، اور تمام چتر دربار ہی میں چھوڑ دیے جاتے، شاہزادہ کی سواری آگے ہوتی، اس کے بعد بادشاہ ہوتا، نماز سواد کوشک میں ہوتی، اس کے بعد سلطان

پھر دربار میں آتا، جہاں لوگ پھر حاضر ہوتے، اس روز خواص و ملوک کو خلعت بھی دیے جاتے، اور قوالوں اور گویوں کو انعام واکرام عطا ہوتے۔[1]

عہد مغلیہ کی عید

مغل بادشاہ بھی جشن عید اسی روایتی شان و شوکت کے ساتھ مناتے رہے، اس موقع پر ان کے دربار کی آرایش ان کے تمدن کے ساتھ بڑھتی رہی، اور وہ عید گاہ بڑے کر و فر کے ساتھ جاتے رہے، عید کا چاند ہوتا تو مفتی اور قاضی بادشاہ کو خبر کرتے، اور رویت ہلال کا اعلان توپ داغ کر کے کیا جاتا اور یہ رواج ابتک دہلی میں جاری ہے، اب توپ تو نہیں چھوٹتی، گولے چھوڑے جاتے ہیں، عید منانے کے لیے کئی روز پہلے سے تیاری ہوتی رہتی، محل اور دربار دلہن کی طرح سجایا جاتا، دربار کی آرایش کا اندازہ اس سے ہوگا، جب ہم جشن نوروز میں اس کی آرایش کی تفصیل بیان کریں گے۔ صبح کو بادشاہ ہاتھی پر جلوس کے ساتھ عید کی نماز پڑھنے کے لیے روانہ ہوتا، چاؤش و نقیب آگے ہوتے، نقارے کی صدائیں بلند ہوتی رہتیں شاہی علم اور چتر توق فضا میں لہراتے رہتے، شاہی دبدبہ کے لیے کچھ توپیں بھی ساتھ چلتیں، ہاتھی کی پیشانی پر ڈھالیں لٹکتی رہتیں، عید کی خوشی میں ان کی مستکوں پر نقش و نگار ہوتے، ان پر جھلا بور جھولیں ہوتیں جن پر موتی اور جواہرات ٹکے ہوتے، وہ زیوروں میں لدے پھندے سونے چاندی کی زنجیریں سونڈوں میں ہلاتے جھومتے جھامتے خوش مستیاں کرتے جلوس کے ساتھ چلتے، ہاتھی کے ہودج پر عماری ہوتی جس پر چتر یا میگڈ نبر لگا ہوتا، شہزادے گھوڑوں پر ہوتے، یہ زرق برق زین، ارتک، گجم، مجمعہ بند، یال پوش اور پشت تنگ وغیرہ سے آراستہ ہوتے، شہزادوں کے پیچھے محل سراؤں کی پالکیاں ہوتیں، ان کے پیچھے کچھ فوج کا دستہ ہوتا، نقارہ زور زور سے بجتا جاتا، ایک ہاتھی پر روپے لدے ہوتے جو راستے میں غریبوں اور مسکینوں میں لٹاتے جاتے، عید گاہ تک ایک ہجوم ہوتا، جہاں بادشاہ داخل ہوتا تو

[1] عفیف ص ۳۶۲ - ۷۵

اس کی آمد کی اطلاع ۲۱ توپوں کی سلامی سے دیجاتی، منبر کے پاس شاہی خیمہ لگتا جس میں بادشاہ اپنے شہزادوں اور امرا کے ساتھ جاکر بیٹھتا، عید کی نماز سے پہلے صف بندی ہو جاتی اور جب امام خطبہ پڑھنے کے لیے منبر پر آتا تو اس کے گلے میں جواہر نگار قبضہ کی تلوار لٹکتی ہوتی، خطبہ میں جب بادشاہ کا نام آتا تو ایک توپ کا گولہ چھوٹتا، خطبہ ختم ہونے کے بعد امام بادشاہ سے آکر بغل گیر ہوتا، شاہی جلوس پھر اسی شوکت کے ساتھ واپس ہوتا، تو دیوان عام میں دربار لگتا، کبھی عید کے دوسرے دن بھی دربار ہوتا، بادشاہ کی خدمت میں عید کے تحفے اور نذرانے پیش کیے جاتے، تمام کاریگر اور صناع اپنی دستکاریوں کے نمونے پیش کرتے، بادشاہ بھی شہزادوں اور اراکین سلطنت کو طرح طرح کے انعام واکرام سے نوازتا، بادشاہ پھر محل کے اندر آتا جہاں بیگمات اور شہزادیوں کو خلعت عطا کرتا، بادشاہ نامہ میں سنہ ۱۰۴۰ھ کی عید کا ذکر ان الفاظ میں ہے:-

> چودہویں اردی بہشت کو عید فطر مسرتوں کی نوید کے ساتھ آئی، اسی روز ایک مرصع ہودج یمین الدولہ نے پیش کیا تھا، جو ایک لاکھ روپے میں تیار ہوا تھا، ایک ہاتھی کی پیٹھ پر باندھا گیا، بادشاہ دین پرور اس کوہ ہیئت اور فلک حرکت ہاتھی پر بیٹھے۔ وہ تمام رمضان المبارک روزے سے رہتے، بیس ہزار روپے محتاجوں میں تقسیم کے لیے عنایت کیے، اور عید گاہ تشریف لے گئے، آنے جانے میں تمام آئین کا لحاظ ملحوظ رکھا گیا، اسی روز نجابت خاں ولد مرزا شاہ رخ کو صوبہ ملتان کی فوجداری دی گئی، اور پانصدی ذات اور ششصد سوار کے اضافہ کے بعد دو ہزار و پانصدی ذات و دو ہزار سوار منصب پا گیا، اور نقارہ کی بھی عزت بخشی گئی ..... اخلاص خاں کو اجمیر کی فوجداری دی گئی بنگالہ کے تعیناتیات میں سے محمد زمان کو اور کابل کے کومکیان میں بہاری داس کچھواہہ کو منصب میں اضافہ کر کے دو ہزاری ذات دو ہزار دو دلت سوار سے سرفراز کیا گیا، چندر من ولد راجہ نرسنگھ

سندیلہ کو ہزار و پانصدی ذات و ہفتصد سوار کے منصب سے نوازا گیا۔ (بادشاہ نامہ جلد اول ۲۶۳)

جامع مسجد دہلی اور نماز عید | یہ مسجد شاہجہانی عہد میں ۱۰۶۰ھ میں بنکر تیار ہوئی، سعد اللہ خان دیوان اعلیٰ اور فاضل خان خانان کی نگرانی میں چھ برس تک پانچہزار راج، مزدور، بیلدار اور سنگ تراش کام کرتے رہے اس میں دس لاکھ روپے خرچ ہوئے[1]، یہ روایت عام طور سے مشہور ہے کہ جب مسجد بن کر تیار ہوئی تو عید بالکل قریب تھی، شاہجہاں نے کہا کہ ہم عید کی نماز یہیں پڑھیں گے، سعد اللہ خاں بہت گھبرایا، کیونکہ ہزاروں من ملبے پڑے ہوئے تھے، شاہجہاں کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے حکم دیدیا کہ جو چیز جس کے ہاتھ لگے اٹھالے جائے، اس حکم کو سن کر چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے اور دیکھتے دیکھتے تمام ملبے اٹھ گئے، مسجد صاف ہو گئی اور پھر شہر کے لوگوں نے شاہجہاں کے ساتھ اس عالی شان اور حسین مسجد میں عید کی نماز ادا کی۔

عید گاہ | شاہجہاں نے دہلی میں عید گاہ شہر کے حصار سے باہر بنوائی تھی، اس کا طول ۴۶ گز اور عرض ½۸ گز تھا، یہ ۱۲ گز کی بلندی پر واقع تھا، اس کے گرد چار دیواری تھی جس میں تین دروازے اور چار برج تھے، مشرقی دروازے کے آگے جلو خانہ تھا، اندر فرش پر سرخ سنگ لگائے گئے تھے، اور جا بجا سات چشمے بہتے رہتے، ایک چبوترہ بھی تھا جس کا طول ۹۱ ذراع اور عرض ۴۸ ذراع تھا، اس کے گرد سنگ سرخ کا ایک محجر بھی تھا، چبوترہ کے آگے ایک وسیع صحن تھا، اور اس کے وسط میں ایک حوض تھا، یہ عید گاہ ڈیڑھ سال میں پچاس ہزار روپئے میں ۱۰۶۵ھ میں بنائی گئی تھی[1]۔

عالمگیری عہد کی عید | عالمگیر اکیسویں سال جلوس تک عید کا جشن پوری شاہانہ روایتوں کیساتھ مناتا رہا، مآثر عالمگیری کا بیان ہے کہ یہ مسرت انگیز دن آتا تو کلمہ پردازان سلطنت دربار کی ترتیب و انعقاد

---

[1] آثار الصنادید ص ۲، باب تیسرا [2] تاریخ ہند جلد ہفتم از ذکاء اللہ ص ۵۱-۴۵۰

کی تیاری بڑے اہتمام سے کرتے، نغمۂ شادی کی پرزور آواز سے زمین و آسمان گونج اٹھتے، عالمگیر ہاتھی پر عید گاہ جاتا، اس کے ساتھ کوئی شہزادہ ہوتا، عید گاہ سے واپسی کے بعد دربار میں آتا تو عطر اور پان تقسیم کیے جاتے، شہزادے اور امراء نذرانے پیش کرتے، خود عالمگیر بھی ان کو خلعت اور مناصب دیتا، خلعت کے ساتھ قیمتی موتی، ہاتھی با ساز طلا، اور روپے بھی ہوتے، کسی کا روزینہ بھی مقرر ہوتا، ہندو امرا بھی اس روز مناصب اور خلعت پاتے، مثلاً اٹھارہویں سال جلوس کے جشن عید میں عالمگیر نے رانا راج سنگھ مرزبان کو خلعت خاص کے ساتھ جمدھر مرصع عطا کیا، اور مہاراجہ جسونت سنگھ کے لیے خلعت بھجوایا، لیکن اس کے جشن منانے میں دنیاوی نمود و نمائش زیادہ بڑھتی جا رہی تھی، جو عید جیسے مذہبی تہوار کے لیے منافی تھا، اس لیے عالمگیر نے اس موقع پر دربار کے جشن میں انتہائی سادگی کا حکم دیا[1]۔ گو یہ سادگی اس کے بعد قائم نہیں رہی۔

بہادر شاہ ظفر کی عید | خاندان مغلیہ کے آخری تاجدار کے عہد میں حکومت برائے نام رہ گئی تھی، اس کی شان و شوکت بڑی حد تک ختم ہو چکی تھی، لیکن پھر بھی اس کی بہت سی روایتیں باقی تھیں، دربار میں جشن عید روایتی طور پر منایا جاتا، گو اس میں مسرفانہ تکلفات کرنے کی سکت باقی نہیں رہ گئی تھی، احسن الاخبار مورخہ ۸ اکتوبر ۱۸۴۸ء میں بہادر شاہ ظفر کے جشن عید کا حال اس طرح درج ہے :۔

"حضرت بادشاہ غازی ہفتہ کے دن شوال کی پہلی تاریخ کو قلعۂ مبارک سے باہر تشریف لائے اور عید کی نماز پڑھنے کو عید گاہ تشریف لے گئے، نماز جماعت کے ساتھ ادا کی اور حسب معمول نیاز کے لیے درگاہ آثار شریف میں حاضر ہو گئے، درگاہ شریف کے متولی جہاندار شاہ کو خلعت شش پارچہ اور امام جماعت کو خلعت و شمشیر عنایت ہوئے، اور واپس قلعۂ معلی میں آئے، آتے جاتے

---

[1] جشن عید کے لیے دیکھو مآثر عالمگیری ص ۴۸، ۴۹، ۵۴، ۱۰۵، ۱۱۰، ۸۰، ۹۵، ۱۰۷، ۱۲۹، ۱۴۷، ۱۵۷، ۱۶۲

وقت حسب ضابطہ شاہی انگریزی توپ خانوں سے سلامی کی توپیں سر ہوئیں، شام کے وقت تخت ہوادار پر سوار ہو کر ناظر کے باغ میں رونق افروز ہوئے محفل رقص و سرود منعقد ہوئی، اس کے ختم ہونے کے بعد محل خاص میں تشریف لیجا کر آرام فرمایا۔ ہر طرف سے مبارکباد کی آوازیں اٹھیں اور توپ خانہ سے سلامی کی توپیں چھٹیں"۔

سرود و نغمہ عید کے روز نغمہ و سرود کی مجلس نشاط بھی منعقد کی جاتی، جب کہ دربار کے ماہرین موسیقی اپنے تمام آلات و ساز کے ساتھ سامعہ نواز ہوتے، لیکن اورنگ زیب اس کو لہو و لعب اور شرعاً ناجائز سمجھتا، اس لیے اس نے حکم دیا کہ ماہرین موسیقی مجرائے شاہی کے لیے تو حاضر ہوں لیکن نغمہ پرداز نہ ہوں۔ گو اس کے دربار میں خوشحال خاں، بسرام خاں اور رس بین جیسے ماہرین موسیقی موجود تھے[1]۔

لیکن عالمگیر کے بعد دربار میں عید کے روز سرود و نغمہ کی روایت پھر جاری ہو گئی، اور بہادر شاہ ظفر کے عہد تک رہی۔

قصیدہ خوانی دربار کے جشن عید میں بادشاہوں کی خدمت میں قصیدے بھی پیش کیے جاتے، جس کے صلہ میں شعراء انعام و اکرام سے نوازے جاتے، ایسے فارسی قصائد کو تو ہم نظر انداز کرتے ہیں، آخری دور میں لال قلعہ کے اندر بہادر شاہ ظفر کی شان میں غالب اور ذوق نے جو قصائد پیش کیے ان کے کچھ اشعار نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ غالب تشبیب میں کہتے ہیں:

ہاں مہ نو سنیں ہم اس کا نام — جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام

دو دن آیا ہے تو نظر دم صبح — یہی انداز اور یہی اندام

بارے دو دن کہاں رہا غائب — بندہ عاجز ہے گردش ایام

---

[1] مآثر عالمگیری ص ۱۱

مرحبا اے سرور خاص خواص — حبذا اے نشاط عام عوام

عذر میں تین دن نہ آنے کے — لے کے آیا ہے عید کا پیغام

بہادر شاہ ظفر کی مدح میں کہتے ہیں:

قبلۂ چشم و دل بہادر شاہ — مظہر ذوالجلال والاکرام

ہے ترا لطف زندگی افزا — اے ترا عہد فرخی فرجام

چشم بد دور خسروانہ شکوہ — لوحش اللہ عارفانہ کلام

ذوق اپنے ایک طویل قصیدہ میں کہتے ہیں:

مژدۂ عید سے ہے گلشن عالم میں بہار — نغمۂ عیش سے ہے بزم جہاں میں رونق

دوش پر سرو لب جو کی ہے اک سبز قبا — بر میں لالہ کے بھی گلشن میں ہے گلگوں لبق

جوش سبزہ سے ہے وہ فرش سر صحن چمن — کوئی مخمل اسے کہتا ہے کوئی استبرق

باغ عالم میں ہے یہ جوش بہار عشرت — ٹپکے ہے نخل سے مستی میں ہمیشہ راوق

تو بھی کر تہنیت عید کا اس کے ساماں — کہ ہے وہ خسرو دیں حامی دین بر حق

وہ بہادر شہ غازی کہ دم معرکہ ہوں — اس کے تیروں کے ہدف اس کے حسودوں کے حدق

آخر میں ذوق کہتے ہیں:

ذوق کرتا ہے ثنا ختم دعا پر اس طرح — تا کہ ہوں ارض و سما دونوں طبق زیر طبق

ہو لے ہر سال مبارک تجھے عید رمضان — اور دشمن کو رہے تیرے سدا رنج و قلق

عوام کی عید عوام بھی اس دن اپنی مسرتوں کا اظہار طرح طرح سے کرتے، علی الصباح اٹھتے غسل کرتے، نئے نئے کپڑے بدلتے، عطر ملتے، گھروں کو سجاتے، بچوں کو حسین و رنگین کپڑے پہناتے، ان کو لیکر عید گاہ چلے جاتے، راستے میں صدقۂ عید الفطر تقسیم کرتے جاتے، وہاں نماز کے بعد لوگوں

سے خوشی میں بغل گیر ہوتے، پھر گھر آتے تو تمام اعزہ، اقربا اور احباب سے ملنے جاتے، ان کو عید کی مبارکباد پیش کرتے، ہر شخص کو کچھ نہ کچھ کھلا کر تواضع کرتے، پھر سیر گاہوں اور تفریح گاہوں کی طرف نکل جاتے، جہاں طرح طرح کے کھیل تماشے ہوا کرتے تھے۔

عید کے پچھڑ | عید کی خوشی منانے کے لیے کسی مخصوص جگہ ایک اجتماع ہو جاتا جس نے رفتہ رفتہ میلے کی شکل اختیار کر لی، عید کے ایسے میلے کو پنجاب میں ٹر کہنے لگے، یہاں دوکانیں لگتیں اور تفریحات کا پورا سامان کیا جاتا، رفتہ رفتہ یہ دہلی میں بھی ہونے لگا اور اب بھی ہوتا ہے۔

عید کے کھانے | عید میں عموماً میٹھی چیزیں زیادہ پکتیں، شیر خورمہ کا رواج بہت رہا اور اب بھی ہے، یہ پتہ نہیں چل سکا کہ سویوں کا رواج کب سے ہوا، لیکن سویاں مسلمان حکمرانوں کے عہد ہی کی یادگاروں میں سے ہیں،

علما کی عید | علما بھی عید کے دن خوشی کا اظہار کرنا دینی شعار سمجھتے رہے، حضرت شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ عید کے دن اس لیے خوشی ہوتی ہے کہ رمضان شریف کے روزے ختم ہو جاتے ہیں، یعنی ایک چیز جو ان پر شاق ہوتی ہے، اس سے فراغت ہو جاتی ہے، اور خدا نے جو چیز ان پر فرض کی تھی اس کے ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو اور انکے اہل وعیال کو دوسرے سال تک رکھکر احسان فرمایا، لیکن اس خوشی کے اظہار میں اس کا بھی حکم دیا کہ اعلائے کلمۃ الحق بھی ہو اور شعائر دین کی سربلندی بھی ہو، اس لیے ایک جگہ جمع ہو کر دو رکعت نماز ادا کرنا واجب قرار دیا، اس اجتماع کی ضرورت اس لیے ہوئی کہ اسلام کی شان و شوکت کا اظہار بھی ہو، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ جانے اور آنے میں راستے بدلتے تھے، تاکہ مختلف راستوں میں مسلمانوں کی شان و شوکت ظاہر ہو، اس اظہار شوکت کے لیے زیب و زینت ضروری ہوئی، اسیلیے خوش پوشی حتی کہ گانے کے تفریحی سامانوں کی بھی اجازت دی گئی،

(حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۲۳)

عید اضحیٰ | عید اضحیٰ عید الفطر ہی کی طرح منائی جاتی، صرف فرق یہ ہے کہ عید ضحیٰ میں نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد جانوروں کی قربانی کی جاتی ہے، قربانی کرنے کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے ان کے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی مانگی، اور جب حضرت ابراہیمؑ ان کی قربانی کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فدیہ لیکر ان کی قربانی معاف کر دی، دین ابراہیمی کی اسی سنت کو ادا کرنے کے لیے عید اضحیٰ میں برابر قربانی کی جاتی ہے،

عید اضحیٰ کے موقع پر محلوں اور درباروں کی زینت و آرائش عید الفطر ہی کی طرح کی جاتی، سلاطین دہلی اور شاہان مغلیہ دونوں اسی شان سے عیدگاہ روانہ ہوتے، جس طرح عید الفطر میں جاتے اور عید ہی طرح مراسم ادا ہوتے، بادشاہ نامہ میں ہے۔

"عید اضحیٰ کی دس تاریخ آئی تو دنیا کے لیے شادمانی کے دروازے کھل گئے، شہنشاہ حق آگاہ عیدگاہ تشریف لے گئے، اور نماز ادا کرنے کے بعد دولت خانہ کی طرف مراجعت کی، نچھاور کی رسم کے ساتھ قربانی کی سنت ادا کی گئی، اسی روز حاجب بلخ کو بیس ہزار روپے، خواجہ یاقوت تحویلدار کو پانچ ہزار، مراد آختہ بیگی کو چار ہزار، نذر بیگ قوش کو یک مہر تیس تولک اور دو ہزار روپے، عباد اللہ میر شکار کو دو ہزار، اونٹوں کے داروغہ کو ڈیڑھ ہزار مرحمت ہوئے، ذوالفقار خاں کو خلعت عطا ہوا، منصب میں ہزار پانصدی بیس صد سوار کا اضافہ ہوا۔"[1]

عالمگیر عید اضحیٰ سادگی سے منایا کرتا تھا،[2] لیکن اس کے بعد عیدین میں شان و شوکت کا اظہار پرانی روایات کے مطابق ہوتا رہا۔

بہادر شاہ ظفر کی حکومت شام غریباں تھی، لیکن احسن الاخبار مورخہ ۲۵ر دسمبر ۱۸۴۶ء میں ہے:
بروز عید اضحیٰ بادشاہ سلامت زرق برق لباس زیب تن فرما کر بہت عمدہ گھوڑے پر سوار

---

[1] بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ص ۱۰۱ [2] ماثر عالمگیری ص ۱۶۶

ہوئے اور عیدگاہ تشریف لے گئے۔ نماز سے فراغت حاصل کرنے کے بعد خلعت شش پارچہ دو رقم جواہر ایک قبضہ شمشیر مع پرتلہ خطیب صاحب کو اور کمخواب کی قبا سہ رقم جواہر، ایک دستار سربستہ اور گوشوارہ منقش، ایک دستار ستولی مصلی کو اور خلعت شش پارچہ سہ رقم جواہر اور قبضہ شمشیر وتادالدولہ ناظم امور خانداری کو مرحمت فرمائے، اس کے بعد اونٹ کی قربانی کی گئی، اور حاضرین مجلس نے نان اور کباب کا شغل فرمایا، اس وقت نہایت شادمانی اور فرحت کا ساز و سامان تھا، ایک دوسرے کو مبارکباد دینے میں مصروف نظر آتا تھا، چاروں طرف سے مبارکباد مبارکباد کی صدائیں آرہی تھیں، جب اعلیٰ حضرت سے بادشاہ سلامت کی سواری گذری امرا، رؤسا اور اراکین سلطنت نے مبارکبادیں پیش کیں اور نذریں بھی گذرانیں، آتے جاتے وقت شاہی اور انگریزی توپ خانہ سے نہایت بلند آواز کے ساتھ سلامی کی توپیں چھوڑی گئیں۔

نماز کے بعد قربانی دینے والے اپنے ہاتھوں سے قربانی کرتے، سلاطین بھی اس کی پابندی کرتے۔ سلطان محمد تغلق نیزہ سے اونٹ کو خود نحر کرتا، اور ایسا کرتے وقت پہلے اپنے کپڑوں پر ایک ریشمی لنگی اوڑھ لیتا تاکہ کپڑوں پر خون کی چھینٹیں نہ پڑیں[1]، جہانگیر اور اورنگزیب بھی اپنے ہاتھوں سے قربانی کے جانور ذبح کیا کرتے تھے۔

صوفیائے کرام کی عید آٹھویں صدی ہجری میں حضرت مخدوم سید جلال الدین بخاری بڑے مشہور ولی اللہ گزرے ہیں، اوچ میں قیام رہتا تھا، ایک بار دہلی سلطان فیروز شاہ تغلق سے ملنے آئے تو سلطان دہلی سے باہر تھا، ان کو انتظار کرنا پڑا، اسی اثنا میں عید اضحیٰ آگئی، انھوں نے عید اضحیٰ کا تہوار جس طرح منایا اس کی تفصیل ہم بزم صوفیہ (ص ۴۲۱-۴۱۹) میں لکھ چکے ہیں، اس کو ہم پھر یہاں اس لیے نقل کرتے ہیں کہ اس عہد میں صلحا عیدین کس طرح مناتے، اس کا بھی پورا نقشہ سامنے آجائے۔

---

[1] سفرنامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۱۰۶

عید اضحیٰ کی صبح صادق ہوئی تو حضرت جہانیاں جہاں گشت جاگے، فجر کی نماز ادا کی، نماز سے اشراقی کے ورد سے فارغ ہوئے تو طلوع آفتاب سے پہلے مصلے سے اٹھے، غسل فرمایا اور جب آفتاب کسی قدر بلند ہوا تو پالکی میں سوار ہو کر عیدگاہ کی طرف روانہ ہوئے، معتقدین بھی ساتھ تھے، تکبیر کہتے جاتے اور ہمراہیوں سے بھی تکبیر کہلواتے راستہ آہستہ آہستہ طے کرتے، عیدگاہ کے قریب پہنچے تو پالکی سے اتر پڑے، تازہ وضو کیا، ریش مبارک میں کنگھی کی پھر مسجد میں داخل ہوئے، اس وقت تک کچھ زیادہ لوگ نہیں آئے تھے، محراب کے سامنے پہلی صف میں جا کر تشریف فرما ہوئے، معتقدین پیچھے بیٹھ گئے، فجر کی نماز کے بعد کے اوراد و وظائف پڑھتے رہے، خطیب کے آنے میں تاخیر کی تو فرمایا بقرعید کی نماز جلد ہونی چاہیے تاکہ قربانی جلد ہو، اور جانور بے چارے قید میں نہ بندھے رہیں، ذبح ہو کر وہ اپنی منزل مراد کو پہنچ جائیں، پھر خادم خاص کو بلا کر کہا کہ داروغۂ مطبخ سے تاکید کرو کہ سلام پھیرتے ہی جا کر قربانی کرے تاکہ ہم یاروں کے ساتھ قربانی کے گوشت سے افطار کریں، اس لیے کہ یہ مستحب ہے، اس اثنا میں سلطان فیروز شاہ کا وزیر خانجہاں آیا، اس کو دیکھ کر پوچھا کہ تمھاری قبا شرع ہے، جواب دیا شرع ہے، پھر پوچھا موئے بند سوتی ہے یا اونی، جواب دیا سوتی، پھر فرمایا تم اپنے بال کے جوڑے کھول کر آگے ڈال دینا ورنہ نماز مکروہ ہو جائے گی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم اپنے بال کو کھول دو تاکہ وہ بھی تمھارے ساتھ سجدہ کریں، اسی سلسلہ میں فرمایا بعض نادان ریشم کے کپڑے پہن کر نماز پڑھتے ہیں، ایسی نماز اس کے منہ پر مار دی جاتی ہے، اسی درمیان میں فیروز شاہ کے قاضی القضاۃ صدر جہاں نے آکر قدمبوسی کی، اور نماز کے بعد اپنے یہاں مدعو کیا، نماز شروع ہوئی تو خطیب سے دوسری رکعت کی تکبیروں میں سہو ہو گیا، نماز کے بعد مسلمانوں نے سہو کے بارہ میں حضرت مخدوم جہانیاں سے رجوع کیا، فرمایا عیدین کی تکبیریں واجب ہیں، مناسب تو یہ ہے کہ نماز پھر سے پڑھی جائے لیکن مجمع کثیر ہے، اعادہ میں لوگوں کو زحمت ہو گی، اس لیے اعادہ کی ضرورت نہیں، خطیب کے خطبہ کے بعد حضرت مخدوم نے چار رکعت نماز اور پڑھی اور اپنے ہمراہیوں سے بھی پڑھوائی، ابھی وہ نماز پڑھ ہی رہے تھے کہ دست بوسی کے لیے

لوگوں کا ہجوم ہوا، ہر طرف ایک شور برپا ہوگیا، مشکل سے پالکی لائی گئی، اور جب پالکی پر سوار ہوکر روانہ ہوئے تو لوگ پالکی کے ساتھ دوڑتے تھے، کوئی پالکی کو چومتا اور کوئی پالکی اٹھانے والے کو چومتا، ہجوم زیادہ بڑھا تو خدام نے لوگوں کو منتشر کیا کہ ہجوم کی کثرت سے کوئی ہلاک نہ ہوجائے، صدر جہاں بھی پالکی کے ساتھ ساتھ تھے اور جب ان کے گھر پہنچے تو وہاں ائمہ، علماء، قضاۃ الصدور اور دوسرے اکابر پہلے سے موجود تھے جنھوں نے اٹھ کر تعظیم کی ...... گفتگو مختلف موضوع پر ہوتی رہی، اس کے بعد اشراق کی نماز پڑھی، نماز پڑھ چکے تو صدر جہاں نے شربت کا ایک پیالہ پیش کیا، شربت دیکھ کر فرمایا، عید اضحیٰ میں قربانی کے گوشت سے افطار کرنا سنت ہے، صدر جہاں نے فوراً کباب کی ایک سیخ سینکوائی، اسی سے افطار کیا اور ہمراہیوں کو بھی افطار کرنے کو کہا، اسکے بعد صدر جہاں نے دسترخوان بچھوایا، کھانا کھانے کے بعد تمام لوگ رخصت ہوئے۔[1]

عید میلاد النبی پہلے کہا جاچکا ہے کہ اسلام میں عیدین کے سوا کوئی اور تہوار نہیں لیکن رفتہ رفتہ کچھ تقریبیں ایسی نکلیں کہ بعض تقریبیں تہوار کی شکل میں بدل گئیں، انہی میں عید میلاد النبی بھی ہے، یہ ۱۲ ربیع الاول کو منائی جاتی ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یوم ولادت ہے، اسلامی ممالک میں یہ تقریب عیدین سے زیادہ تزک و احتشام سے منائی جاتی ہے، اس روز ذکر رسول ہوتا ہے، وعظ و تذکیر کے ذریعہ سے آپ کی حیات طیبہ بیان کیجاتی ہے اور اس پر عمل کرنے کی تلقین ہوتی ہے اور پھر اظہار مسرت میں مٹھائیاں تقسیم ہوتی ہیں غربا کو کھانا کھلایا جاتا ہے، احباب و معززین مدعو ہوتے ہیں اور مجلس خوشبوؤں سے معطر کیجاتی ہے، یہ تقریب ہر زمانہ میں منائی گئی، سلاطین دہلی اور شاہان مغلیہ کے عہد میں بھی بڑے احترام کیساتھ اسکا انعقاد ہوتا رہا۔

شاہجہانی عہد کی عید میلاد النبی کا ذکر کرتے ہوئے بادشاہ نامہ کا مولف ۱۰۳۶ھ میں لکھتا ہے کہ اس مجلس میلاد سعادت کی ترتیب بڑے اہتمام سے کیگئی جس میں سادات، علماء، صلحاء اور مشائخ مدعو کیے گئے، شاہجہاں بڑی تعظیم کیساتھ مسند پر آکر بیٹھا، بارہ ہزار روپے تقسیم کیے اور لوگوں کی حیثیت کے مطابق ان کو شال رحمت کیے اور ایک بڑی جماعت کو طرح طرح کے کھانے اور حلوے کھلائے گئے اور عطریات تقسیم ہوئے۔[2]

(باقی)

[1] الدر المنظوم ص ۴۴ - ۲۰۵، [2] بادشاہ نامہ جلد اول ص ۲۳۱

البیرونی کی یادگار جلد پر ایک نظر

از جناب شبیر احمد خانصاحب غوری رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی اترپردیش

(۴)

تصانیف بیرونی پرنسپل عبد الرحمن خانصاحب کے مقالہ کا سب سے زیادہ عجیب حصہ وہ فہرست ہے جو انھوں نے On The minor Tracts of Abu Raihan Muhammad bin Ahmad Al-Beruni کے عنوان سے دی ہے، اس فہرست میں انھوں نے اکتالیس کتابوں کے نام تحریر فرمائے ہیں، مگر ان میں صرف چار یعنی "الکتاب فی استخراج الاوتار فی الدائرہ بخواص الخط المنحنی الواقع علیها"، "افراد المقال فی امر الظلال"، "تمہید المستقر فی معانی الممر" اور "المقالہ فی راشیکات الہند" البیرونی کی تصانیف ہیں، بقیہ سینتیس دوسرے فضلاء کی ہیں۔

فاضل مقالہ نویس نے اس فہرست کے ثبت کرنے سے پیشتر ایک اور بات کہی ہے جو عنوانِ مقالہ کے ساتھ کسی طرح ہم آہنگ نہیں ہے،

Al-Berunis influence on scientific research long survived his death. His pupils and pupil's pupils carried on The work he had started with commendable dilegence, as is borne out by The appearance

of a number of scientific Rasail or pamphlets dedicated to his memory; amongst which the flollowing tracts have been published by the Dairat-ul-Ma'arif lately."

[سائنسی ریسرچ کے سلسلے میں البیرونی کا اثر اس کی وفات کے بعد بھی بہت عرصہ تک باقی رہا۔ اس کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں نے قابل ستایش محنت و کاوش کے ساتھ اس کام کو جاری رکھا جسے اس نے شروع کیا تھا، جیسا کہ ان متعدد سائنسی رسائل کے ظہور سے ظاہر ہے جو اس کی یادگار میں معنون کیے گئے، ان رسائل میں سے حسب ذیل کو دائرۃ المعارف نے شائع کر دیا ہے]

عنوان مقالہ سے یہ انحراف کہاں تک صحیح تھا اس کا فیصلہ تو منتظمین ایران سوسائٹی اور بانیان جوبلی کا فرض تھا، لیکن بڑی مشکل یہ ہے کہ فاضل مقالہ نویس نے اس کے بعد جن اکتالیس کتابوں کی فہرست دی ہے، اس میں سے صرف چار تو خود البیرونی کی ہیں، یعنی

(۱) الکتاب فی استخراج الاوتار فی الدائرۃ بخواص الخط المنحنی الواقع علیہا (زیر طباعت کتابوں میں نمبر ۱۶)

(۲) افراد المقال فی امر الظلال (زیر طباعت کتابوں میں نمبر ۱۱)

(۳) تمہید المستقر فی معانی الممر (زیر طباعت کتابوں میں نمبر ۳۰)

(۴) المقالۃ فی راشیکات الہند (زیر طباعت کتابوں میں نمبر ۱۲)

یہ چاروں کتابیں "مجموعہ رسائل البیرونی" کے نام سے دائرۃ المعارف حیدر آباد نے ۱۹۴۸ء میں شائع کر دی ہیں۔

باقی کتابوں میں سے کوئی بھی اس کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد کی نہیں ہے، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) مذکورہ فہرست میں سے چودہ کتابیں ابو نصر منصور بن علی ابن عراق کی ہیں، یعنی

۱۔ الرسالۃ فی البرہان علی عمل محمد بن الصباح فی امتحان الشمس (مطبوعہ کتابوں میں نمبر ۴)

۲۔ الرسالۃ فی تصحیح ما وقع لابی جعفر الخازن فی السہو فی زیج الصفائح (زیر طباعت کتابوں میں نمبر ۳)

۳۔ الرسالۃ فی براہین اعمال جدول التقویم فی زیج حبش الحاسب (مطبوعہ کتابوں میں نمبر ۹)

۴۔ الرسالۃ المسماۃ بجدول الدقائق (مطبوعہ کتابوں میں نمبر ۷)

۵۔ رسالۃ ابی نصر فی کشف عوار الباطنیۃ بما موہوا علی رؤیۃ الاہلۃ (مطبوعہ کتابوں میں نمبر ۱۳)

۶۔ الرسالۃ فی حل شبہۃ فی المقالۃ الثالثۃ عشر من کتاب الاصول (مطبوعہ کتابوں میں نمبر ۱۳)

۷۔ الرسالۃ فی معرفۃ القسی الفلکیۃ (مطبوعہ کتابوں میں نمبر ۱۱)

۸۔ فصل من کتاب لابی نصر فی کریۃ السماء (مطبوعہ کتابوں میں نمبر ۱۴)

۹۔ رسالۃ ابی نصر فی جواب مسائل الہندسیۃ (زیر طباعت کتابوں میں نمبر ۸)

۱۰۔ الرسالۃ فی البرہان علی عمل حبش فی مطالع السمت فی زیجہ (مطبوعہ کتابوں میں نمبر ۱)

۱۱۔ المقالۃ فی اصلاح شکل من کتاب مانالاوس فی الکریات (زیر طباعت کتابوں میں نمبر ۲)

۱۲۔ المقالۃ فی البرہان علی حقیقۃ المسئلۃ التی وقعت بین ابی حامد الصغانی وبین منجمی الرے فیہا منازعۃ (زیر طباعت کتابوں میں نمبر ۵)

۱۳۔ الرسالۃ فی مجازات دوائر السموت فی الاسطرلاب (زیر طباعت کتابوں میں نمبر ۶)

۱۴۔ الرسالۃ فی صنعۃ الاسطرلاب بالطریق الصناعی (زیر طباعت کتابوں میں نمبر ۷)

یہ چودہ رسالے اور ایک اور رسالہ بعنوان "رسالۃ الاسطرلاب" دائرۃ المعارف حیدر آباد نے "رسائل ابی نصر بن عراق الی البیرونی" کے نام سے ۱۹۴۶ء میں شائع کر دیے تھے۔

(ب) ایک رسالہ "الرسالۃ فی اقامۃ البرہان علی الدائر من الفلک من قوس النہار وارتفاع

بنصف النہار وارتفاع الوقت" (مطبوعہ کتابوں میں نمبر ۵) ابو الوفاء البوزجانی کا ہے،

(ج) ایک رسالہ "المقالہ فی الابعاد والاجرام" (مطبوعہ کتابوں میں نمبر ۴) کوشیار بن لبان الجیلی کا ہے،

(د) ایک رسالہ "الرسالہ فی شکل القطاع" (زیر طباعت کتابوں میں نمبر ۵) ابو سعید احمد بن محمد

ابن عبد الجلیل السجزی کا ہے،

(ہ) ایک رسالہ "الکتاب فی کیفیۃ تسطیح الکرۃ علی سطح الاسطرلاب" (زیر طباعت کتابوں میں نمبر ۱۲)

ابو حامد احمد بن محمد الصغانی کا ہے،

(و) ایک رسالہ "الرسالہ فی مساحۃ المجسم المکافی" (زیر طباعت کتابوں میں نمبر ۱) ابو سہل

ویجن بن رستم الکوہی کا ہے

(ز) مندرجہ ذیل دو رسالے ابن باشاد القاینی کے ہیں،

۱۔ المقالہ فی استخراج تاریخ الیہود ابن باشاد القاینی (مطبوعہ کتابوں میں نمبر ۱۴)

۲۔ المقالہ فی استخراج الساعات بین طلوع الفجر والشمس کل یوم من ایام السنۃ بمدینۃ

قاین (مطبوعہ کتابوں میں نمبر ۱۵)

(ح) ایک رسالہ "الرسالہ فی ان الاشکال کلہا من الدائرۃ" (زیر طباعت کتابوں میں نمبر ۱۶) نصر

ابن عبد اللہ کا ہے

(ط) ایک رسالہ "الرسالہ فی المقادیر المشترکۃ والمتباینۃ" (مطبوعہ کتابوں میں نمبر ۲۳) ابو عبد اللہ

المعروف بابن البغدادی کا ہے،

(ی) ایک رسالہ "الفصل فی تخطیط الساعات الزمانیۃ فی کل قبۃ او فی قبۃ یستعمل بہا" (مطبوعہ کتابوں میں نمبر ۲۲)

فضل بن حاتم التبریزی کا ہے۔

(ک) ایک رسالہ "المقالہ فی استخراج تاریخ الیہود واعیادہم للخوارزمی" (مطبوعہ کتابوں میں نمبر ۱۹)

محمد بن موسیٰ الخوارزمی کا ہے۔

(ب) سے لیکر (ک) تک رسائل کا مجموعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد نے "الرسائل المتفرقۃ فی الہیئۃ للمتقدمین ومعاصری البیرونی" کے نام سے سنین ماضیہ (۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۸ء تک شائع کر دیا تھا۔

(ل) سات کتابیں ابراہیم بن سنان بن ثابت کی ہیں:۔

۱۔ المقالہ لابراہیم بن سنان فی الاصطرلاب (مطبوعہ کتابوں میں نمبر ۳)

۲۔ المقالہ لابراہیم بن سنان فی طریق التحلیل والترکیب وسائر الاعمال فی المسائل الہندسیۃ (مطبوعہ کتابوں میں نمبر ۱)

۳۔ الکتاب فی حرکات الشمس (مطبوعہ کتابوں میں نمبر ۱۸)

۴۔ المقالہ لابراہیم بن سنان بن ثابت بن قرۃ فی رسم القطوع الثلثۃ (مطبوعہ کتابوں میں نمبر ۲)

۵۔ الکتاب فی مساحۃ المخروط المکافی (مطبوعہ کتابوں میں نمبر ۱۹)

۶۔ رسالہ ابراہیم بن سنان بن ثابت فی وصف المعانی التی استخرجہا فی الہندسۃ والنجوم۔ (زیر طباعت کتابوں میں نمبر ۲)

۷۔ الرسالہ فی اصول الرصد (زیر طباعت کتابوں میں نمبر ۱)

ان میں سے پہلے چھ رسائل کو دائرۃ المعارف حیدرآباد نے ۱۹۴۳ء میں "رسائل ابن سنان" کے نام سے شائع کر دیا تھا۔ آخر الذکر یعنی الرسالہ فی اصول الرصد" آج نایاب ہے، اس کا صرف آخری ورقہ جس میں ۳۲ سطریں ہیں بانکی پور لائبریری کے مجموعہ عدد ۲۴۶۸ میں شمول ہے، اس پر مصنف کا نام نہیں ہے لیکن اس میں یہ عبارت ملتی ہے:

ونحن نثبت علی اثر ھذا الکلام اذا قدرنا علی الوصول الی

کتب ارصاد المامون ثم بعد ھذا ارصاد والدی"۔[1]

[1] اور اگر ہمیں مامون الرشید کی ارصاد نیز اپنے والد (داد ثابت بن قرہ) کی ارصاد مل گئیں تو ہم اس بحث کے بعد اس بات کو ثابت کریں گے۔

چونکہ اسی مجموعہ میں ابراہیم بن سنان کا ایک اور رسالہ بھی ہے جس میں وہ مامون الرشید اور اپنے والد (دادا) ثابت بن قرہ کے ہیئتی مشاہدات کا ذکر کرتا ہے، اس لیے اس رسالہ "الرسالہ فی اصول الرصد" کا مصنف بھی سنان بن ثابت ہی ہے۔

(م) دو کتابیں ارشمیدس (Archimedes) کی ہیں جنھیں ثابت بن قرۃ الحرانی نے ایڈٹ کیا تھا:

۱۔ کتاب ارشمیدس فی اصول الہندسۃ (مطبوعہ کتابوں میں ۲۱)

۲۔ کتاب ارشمیدس فی الدوائر المتماسۃ (مطبوعہ کتابوں میں ۲۶)

ان دونوں کتابوں کو دائرۃ المعارف حیدرآباد نے ۱۹۴۷ء میں "رسائل ابن قرہ" کے نام سے شائع کر دیا تھا۔

(ن) ایک کتاب "انباط المیاہ الخفیہ" (مطبوعہ کتابوں میں ۲۴) خازنی کی نہیں بلکہ ابوبکر الکرخی کی ہے جسے دائرۃ المعارف حیدرآباد نے ۱۹۴۵ء میں شائع کر دیا تھا۔

(س) ایک رسالہ "قول ابن الہیثم فی خواص المثلث من جہۃ العمود" زیر طباعت کتابوں میں (۹) ابن الہیثم کا ہے جسے ۱۹۳۸ء میں دائرۃ المعارف حیدرآباد نے "رسائل ابن الہیثم" کے ضمن میں شائع کر دیا تھا۔

لیکن (ا) سے لیکر (س) تک کوئی مصنف بھی البیرونی کا شاگرد یا شاگردوں کا شاگرد نہیں تھا، بلکہ یا تو اس کا استاد تھا یا استاد کا استاد تھا، یا بیرونی سے متقدم تھا۔

(۱) ابونصر منصور بن علی بن عراق: البیرونی کا استاد تھا، خود البیرونی "الآثار الباقیہ" میں اس کی شاگردی پہ فخر کرتا ہے:۔

واستخراج استاذی ابی نصر منصور	اور میرے استاد ابونصر منصور بن علی بن عراق
بن علی بن عراق مولی امیر المومنین	مولی امیر المومنین نے مسئلہ مقدم الذکر کے استخراج

طریقۃ لاستخراج ما تقدم ذکرہ[1]	کے لیے یہ طریقہ نکالا ہے۔

(ب) ابوالوفا البوزجانی: ۳۲۸ھ میں پیدا ہوا تھا۔ ۳۴۸ھ میں بغداد پہنچا جہاں بہت جلد وہ مرجع اہل علم بن گیا۔ وہ بغداد ہی میں رہا تا آنکہ ۳۸۸ھ میں وفات پائی

محمد بن محمد بن یحیی بن اسمٰعیل	ابوالوفا محمد بن محمد بن یحیی بن اسمٰعیل بن العباس
بن العباس ابوالوفا البوزجانی	البوزجانی: اس کی پیدائش بوزجان میں جو نیشاپور
مولدہ بالبوزجان من بلد نیسابور فی سنۃ ثمان وعشرین	کے شہروں میں سے ہے ۳۲۸ھ میں ہوئی تھی
وثلثمائۃ ..... وکان انتقالہ	.... ۳۴۸ھ میں وہ عراق چلا گیا۔
الی العراق فی سنۃ ثمان واربعین	وہاں لوگوں نے اس سے پڑھا اور استفادہ کیا
وثلثمائۃ وقرأ علیہ الناس و	.... ابوالوفا البوزجانی
استفادوا ..... ولم یزل	بغداد ہی میں مقیم رہا تا آنکہ وہیں اس نے
ابوالوفاء البوزجانی مقیماً	۳ رجب ۳۸۸ھ کو وفات پائی۔
ببغداد الی ان توفی بہا فی ثالث	
رجب سنۃ ثمان وثمانین وثلثمائۃ[2]	

یعنی ابوالوفا کی وفات کے وقت جو ساٹھ سال کی عمر میں ہوئی البیرونی ابھی صرف چھبیس (۲۶) سال کا تھا۔

پھر ابونصر منصور بن علی بن عراق جو البیرونی کا استاد تھا ابوالوفا البوزجانی کو اپنا استاد بتاتا ہے، چنانچہ اس نے اپنے رسالہ فی معرفۃ القسی الفلکیہ میں ابوالوفا کو اپنا استاد (شیخ) کہکر یاد کیا ہے:

الی ان ورد کتاب شیخنا ابی الوفاء	یہاں تک کہ ہمارے استاد (شیخ) ابوالوفا،

---

[1] الآثار الباقیہ ص ۱۸۴ [2] الفہرست لابن الندیم ص ۳۹۳، و اخبار العلماء باخبار الحکماء ص ۱۸۸-۱۸۹

محمد بن محمد البوزجانی علی الفقیه ابی علی الحبوبی[۱]
محمد بن محمد البوزجانی کا خط فقیہ ابو علی جوبلی کے پاس آیا

اس طرح ابوالوفا، البیرونی کے استاد کا استاد تھا۔ نیز ابو نصر منصور بن عراق نے "رسالہ فی معرفۃ القسی الفلکیہ" میں یہ بھی لکھا ہے کہ جس زمانہ میں البیرونی (اپنے استاد) ابو نصر بن عراق سے قسی فلکیہ (Spherical arcs) کے حساب کا آسان طریقہ جو "شکل قطاع" اور "نسبۃ مولفہ" پر مشتمل ہے، دریافت کر رہا تھا، ابوالوفا اپنے شاگرد ابو نصر بن عراق کے طریقوں پر جو اس نے "علم المثلثات الکرویہ" کے سلسلے میں استعمال کیے تھے، عدم تصویب کا اظہار کر رہا تھا:

ذکرت ایدک اللہ ان کثیراً ممن
یحرص علی علم الهیئة ویحب الوقوف
علی براهین ما تضمنتہ الازیاج من
فنون الحسابات المتشعبة یستصعب
ما استعملہ بطلیموس فی الکتاب
من الشکل القطاع والنسبة المولفة
وانک کنت تحب ان تتاتی لک طرق
من البراهین بسائر ما استعمل فیہ
ذلک الشکل لایتادی لمن سلکھا
الی ما یستصعب منہ وفیہ الی ان
ورد کتاب شیخنا ابی الوفاء محمد بن
محمد البوزجانی علی الفقیه ابی علی

تم نے - اللہ تمھیں نیکی کی تائید دے - ذکر کیا ہے کہ
بہت سے لوگ جنھیں علم ہیئت کا شوق ہے اور ان دلائل
پر مطلع ہونا چاہتے ہیں جن کے ذریعہ ہیئتی جداول
مختلف قسم کے حسابات پر مشتمل ہیں، وہ لوگ اس
بحث کو مشکل سمجھتے ہیں جو بطلیموس نے "شکل قطاع"
اور "نسبت مولفہ" کے سلسلے میں اکثر استعمال کئے ہے
اور تم چاہتے تھے کہ تمھیں ان سب باتوں کے دلائل
کے طریقے معلوم ہو جائیں کہ جن میں یہ شکل استعمال
ہوتی ہے اور جو اپنے پیرو کو مشکل مقامات میں
پھنسا دے، یہاں تک کہ ہمارے استاد [شیخ]
ابو الوفا محمد بن محمد البوزجانی کا خط فقیہ
ابو علی الجوبلی کے پاس آیا، اس میں انھوں نے

 رسالہ فی معرفۃ القسی الفلکیہ (مشمولہ رسائل ابو نصر بن عراق وشائع کردہ دائرۃ المعارف حیدرآباد) صفحہ ۲

الحبوبی یذکر فیہ انہ تامل اکثر
کتابی فی السموت فوجدنی فیہ
ما لکا مسلک المتقدمین یشیر الی
علی فی براهینہ بالشکل القطاع
ویصف ان طرقہ التی سلکھا
فی المجسطی الذی عملہ اخف
واسهل واوجز واحسن[۱]

لکھا ہے کہ انھوں نے میری (ابو نصر عراق کی)
کتاب فی السموت کا بہت زیادہ مطالعہ کیا اور
انھوں نے یہ اندازہ لگایا کہ میں متقدمین کے طریقہ
کا پیرو ہوں، اس سے ان کا اشارہ ان دلائل
کتاب کی جانب تھا جو میں نے "شکل قطاع" کے
سلسلے میں استعمال کیے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ خود
انھوں نے اپنی تفسیر مجسطی میں جن طریقوں پر عمل
کیا ہے وہ زیادہ آسان، زیادہ ہلکے، زیادہ مختصر
اور زیادہ اچھے ہیں۔

لیکن فاضل مقالہ نویس نے البیرونی کے استاد اور استاد کے استاد کو بھی اس کے شاگردوں کی فہرست میں مشمول کر دیا، فیا للعجب

(ج) کوشیار بن لبان الجیلی: البیرونی سے کہیں متقدم ہے، چنانچہ وہ (البیرونی) اپنی کتابوں میں اس کے حوالے دیتا ہے مثلاً "افراد المقال فی امر الظلال" میں اس کی "الزیج الجامع" کا حوالہ دیتا ہے (ص ۴۲، ۵۷) اسی طرح "تمهید المستقر فی معانی الممر" میں (ص ۲۱، ۶۳)

بیہقی نے "تتمہ صوان الحکمۃ" میں کوشیار کی تین زیجوں کا ذکر کیا ہے۔

ابو الحسن کوشیار بن لبان بن باشهری
الجیلی ... کان مهندسا عالما
داخل بیوت هذا الفن من

ابو الحسن کوشیار بن لبان بن باشہری الجیلی
... بڑے پایہ کا مہندس تھا، اور اس
فن کے رموز سے واقف تھا، اس کی مہارت

[۱] رسالہ فی معرفۃ القسی الفلکیہ ص ۲

عربی	اردو ترجمہ
أبوابه وكفاه معرفاً زيجه المعنون	کے ثبوت میں اس کی زیچ کا حوالہ کافی ہے جسے اس نے
بالبالغ وزيجه المعنون بالجامع	بالغ کے نام سے معنون کیا تھا، پھر اس کی اس
ثم مجمله في علم النجوم[1]	زیچ کا جو "جامع" کے نام سے معنون ہے پھر
	علم نجوم میں اس کی کتاب "مجمل" کا

"زیچ جامع" کا حوالہ البیرونی نے دیا ہے، "زیچ مجمل" یا "مجمل الاصول" کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں موجود ہے (نمبر ۴۹۰، Add) اس میں ایک مقام پر لکھتا ہے:

وكان من ابتداء الادوار الى عند حلول الشمس ۲۰ درجة و ۱۴ دقيقة من الحوت في سنة ۳۲۱ ليزدجرد۔"

اور ۳۲۱ یزدجرد ۳۴۲ھ کے ساتھ مطابق تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوشیار البیرونی کی پیدائش (۳۶۲ھ) سے بیس سال قبل ہیئتی مشاہدات میں مصروف تھا، مگر فاضل مقالہ نویس نے اسے بھی البیرونی کے شاگردوں کی فہرست میں شمول کر دیا،

(د) ابو سعید احمد بن محمد بن عبد الجلیل السجزی بھی البیرونی سے کہیں مقدم ہے، چنانچہ اس[1] (بیرونی) نے اپنی کتابوں میں اس کے حوالے دیے ہیں۔ مثلاً "استخراج الاوتار فی الدائرہ" (ص ۹، ۲۲، ۲۴، ۲۷، ۳۱، ۵۰) "افراد المقال فی الامر الظلال" (ص ۵۴، ۷۹) وغیرہ ہیں، اسی طرح "استیعاب الوجوہ الممکنہ فی صنعۃ الاسطرلاب" میں لکھتا ہے۔

عربی	اردو ترجمہ
وقد رأيت لأبي سعيد السجزي	میں نے ابو سعید السجزی کا بنایا ہوا ایک اصطرلاب
اصطرلاباً من نوع واحد بسيط	دیکھا ہے جو صرف ایک ہی قطعہ کا ہے اور بسیط ہے
غير مركب من شمالي وجنوبي سماه	وہ شمالی اور جنوبی نصف کروں کے قطعات سے مرکب

له تتمہ صوان الحکمۃ للبیہقی ص ۴۳

عربی	اردو ترجمہ
الزورقي فاستحسنة جداً[1]	نہیں ہے، اس نے اس کا نام اصطرلاب زورقی
	رکھا ہے۔ مجھے یہ بہت اچھا لگا۔

برلن کی قومی لائبریری میں کچھ مخطوطات کا ایک مجموعہ ہے (۲۴۵ نمبر) ان کا کاتب احمد بن محمد ابن عبد الجلیل السجزی ہے، اور اس نے انھیں ۳۵۸ھ سے ۳۶۱ھ تک نقل کیا ہے، چنانچہ ورق ۸۱ کے آخر میں مرقوم ہے:

تمت المقالة بحمد الله ومنه وصلى الله على محمد وآله كتبه احمد بن محمد بن عبد الجليل بشيراز في شهر ربيع الاول سنة ثمان وخمسين وثلثمائة[2]

یعنی یہ رسائل ابو سعید السجزی نے البیرونی کی پیدائش سے چار سال قبل نقل کیے تھے، اسی طرح برٹش میوزیم میں اس کے رسائل کا ایک مجموعہ ہے، اس کے ورق ۵۰ پر لکھتا ہے:

"وهذا جدول لمواضع الكواكب الثابتة في الطول والعرض لسنة ثلثين وثلثمائة من يزدجرد بن شهريار"۔

اور ۳۳۰ یزدجرد ۳۵۱ھ کے مطابق تھا، یعنی ابو سعید احمد بن محمد بن عبد الجلیل السجزی البیرونی کی ولادت سے گیارہ سال قبل ہیئتی مشاہدات میں مصروف تھا، مگر فاضل مقالہ نویس نے اسے بھی البیرونی کے شاگردوں میں محسوب فرما دیا۔

(۸) ابو حامد احمد بن محمد الصغانی بھی البیرونی سے مقدم ہے اور بیرونی نے اس کی تصانیف سے استفادہ بھی کیا ہے، چنانچہ وہ اپنی کتابوں میں اس کے حوالے بھی دیتا ہے، مثلاً قانون مسعودی میں (ص ۳۶۴، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۷۴)

۳۷۸ھ میں جب شرف الدولہ بویہی کے حکم سے بغداد میں رصدگاہ کا کام مکمل ہوا تو

له بحوالہ قانون مسعودی ج اول انگریزی مقدمہ ص ۱۷ ۲ے ۳۵۸ھ

اس کی رُوداد پر جن فضلا نے دستخط کیے ان میں ایک ابو حامد الصغانی بھی تھا جو آلاتِ رصدیہ اور اصطرلاب[2] کی صنعت میں یدطولیٰ رکھتا تھا، اور یہ وہ وقت ہے کہ البیرونی صرف سولہ سال کا تھا، چنانچہ ابن القفطی لکھتا ہے:

احمد بن محمد الصاغانی ابو حامد الاصطرلابی کان فاضلاً فی الهندسة وعلم الهیئة یسلم الیه ذلك فی وقته ..... ولما تقدم شرف الدولة بن عضد الدولة ببغداد برصد الکواکب السبعة ..... وکتب محضر بصورة الرصد وکان ممن شاهد ذلك وکتب خطه بتصحیح نزول الشمس فی برجین احمد بن محمد الصاغانی هذا فی جملة من کتب من القضاة والشهود .... وتوفی ابو حامد فی .... سنة تسع وسبعین و ثلثمائة ببغداد[1]

ابو حامد احمد بن محمد الصاغانی الاصطرلابی علم الهندسہ اور علم الہیئت کے اندر اپنے وقت کا مستند اور مسلم الثبوت استاد تھا..... جب شرف الدولہ بن عضد الدولہ نے بغداد میں کواکبِ ہفتگانہ کی رصد کا ارادہ کیا..... اور رصد کی کیفیت کے سلسلے میں دو یادداشتیں لکھی گئیں تو ان لوگوں میں سے جنھوں نے اسے دیکھا تھا اور دونوں برجوں میں آفتاب کے نزول کی صحت پر دستخط کیے تھے دیگر قضاۃ اور گواہوں کے اندر احمد بن محمد الصاغانی بھی تھا...... اور ابو حامد نے ...... ٣٧٩ھ میں بغداد کے اندر وفات پائی۔

[1] اخبار العلما باخبار الحکما، ص ۵۶ - ۵۷

یہ بھی واضح رہے کہ صاغانی نے ٣٧٩ھ میں بغداد کے اندر وفات پائی، لہٰذا وہ رے میں ٣٧٠ھ سے کہیں پہلے رہا ہوگا، اسی قیام کے دوران میں رے کے منجموں سے اس کا ایک مناظرہ ہوا تھا، جو عرصہ تک نجوم و ہیئت کی تاریخ میں مشہور رہا، البیرونی نے بھی اس مناظرہ کا ذکر سنا تھا، لہٰذا اس نے اپنے استاد ابو نصر منصور بن عراق سے اس کی کیفیت دریافت کی جس کی تفصیل میں ابو نصر بن عراق نے ایک مستقل رسالہ لکھکر البیرونی کو بھیجا، اس رسالہ کا نام "المقالة فی البرهان علی حقیقة المسئلة التی وقعت بین ابی حامد الصغانی وبین منجمی الری فیها منازعة" ہے۔[3] اس سے اندازہ ہوگا کہ صغانی البیرونی سے علم اور عمر دونوں میں مقدم تھا، مگر فاضل مقالہ نویس نے اسے بھی البیرونی کے شاگردوں کی فہرست میں مشمول کر دیا۔

(د) ابو سہل ویجن بن رستم الکوہی: بھی البیرونی سے مقدم ہے، شرف الدولہ بویہی نے جب ٣٧٨ھ میں بغداد میں رصدگاہ قائم کرائی (جس کا ذکر اوپر آچکا ہے) تو اس کی تولیت ویجن بن رستم الکوہی کے سپرد کی، کیونکہ وہ اپنے معاصرین میں سب سے افضل تھا، چنانچہ ابن القفطی اس کے تذکرہ میں لکھتا ہے:

ویجن بن رستم ابو سهل الکوهی المنجم فاضل کامل عالم بعلم الهیئة وصنعة الآلات الارصاد وتقدم فی الدولة البویهیة والایام العضدیة وبعدها ولما حضر شرف الدولة

ابو سہل ویجن بن رستم الکوہی المنجم: علم ہیئت اور آلاتِ رصدیہ کی تیاری میں بڑا کامل و فاضل آدمی تھا۔ بویہی سلطنت بالخصوص عضد الدولہ کا عہدِ حکومت نیز اس کے بعد کا وقت اس کی شہرت کا زمانہ ہے اور جب شرف الدولہ بغداد میں آیا...... اور ٣٧٨ھ میں

[3] مشمولہ رسائل ابی نصر منصور بن عراق شائع کردہ دائرۃ المعارف حیدرآباد۔

انی بغداد .... فی سنة	کواکب سبعہ کی حرکت کی رصد کا ارادہ کیا
ثمان وسبعین وثلثمائة وتقدم	جیسا کہ خلیفہ مامون الرشید نے اپنے زمانہ
برصد الکواکب السبعة فی سیرها	میں کیا تھا، اس کام کے انصرام میں
وتنقلها فی بروجها علی مثل ماکان	ویجن بن رستم الکوہی پر اعتماد کیا۔
المامون فعله فی ایامه وعول علی	الکوہی کو علم ہندسہ اور علم ہیئت
ابی سهل ویجن بن رستم الکوهی فی	کے اندر بڑی اچھی معلومات تھیں
القیام بذلک وکان حسن المعرفة	اور وہ ان دونوں علوم میں انتہائی
بالهندسة وعلم الهیئة متقدماً	درجہ کا ماہر پیشوا تھا۔
فیها الی الغایة المتناهیة[1]	

غرض جس وقت ابو سہل ویجن بن رستم الکوہی نجوم و ہیئت میں سرآمد فضلاء روزگار سمجھا جاتا تھا (۳۷۸ھ میں) البیرونی صرف سولہ سال کا تھا اور وہ تو درکنار، اس کا استاد ابونصر منصور بن عراق بھی صف اول کے ہیئت دانوں میں محسوب نہیں ہوتے تھے، چنانچہ ابن القفطی نے اس رصد بندی کی روئداد کے آخر میں جن دستخط کرنے والوں کے نام دیے ہیں، ان میں ابو نصر عراق کا نام ہے۔ صرف ابو نصر کے استاد "ابو الوفا محمد بن محمد الحاسب" کا نام ہے۔
البیرونی نے ابو سہل الکوہی کی کتابوں کا بھی مطالعہ کیا ہے، چنانچہ "قانون مسعودی" میں اسکے بار بار حوالے دیتا ہے (ص ۲۹، ۶۴۲، ۶۴۳) باایں‌ہمہ فاضل مقالہ نویس نے ابو سہل الکوہی کو بھی البیرونی کے شاگردوں میں مشمول کر دیا۔

(س) ابن باشاد القاینی بھی البیرونی سے مقدم ہے، اور اس نے قاینی کی تحقیقات سے استفادہ

[1] اخبار العلماء باخبار الحکماء، لابن القفطی ص ۲۳

بھی کیا ہے، جیسا کہ "استخراج الاوتار" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے (دیکھئے صفحات ۳۷-۴۰) مگر فاضل مقالہ نویس نے ابن باشاد القاینی کو بھی البیرونی کے شاگردوں میں شامل کر دیا۔

(ح) نصر بن عبد اللہ: بھی البیرونی سے مقدم ہے، کیونکہ وہ عضد الدولہ (۳۶۵-۳۷۳) کے درباری منجمین میں سے تھا، چنانچہ اس نے عضد الدولہ ہی کے نام پر اپنی کتاب "رسالہ فی ان الاشکال کلها من الدائرة" معنون کی تھی، جیسا کہ وہ لکھتا ہے:

"قد بینا فی کتابنا الذی عملناه لخزانة الملک المنصور[1]"

اور اس وقت البیرونی کی عمر آٹھ دس سال تھی، مگر فاضل مقالہ نویس نے اسے بھی البیرونی کے شاگردوں میں شامل کر دیا۔

(ی) فضل بن حاتم النیریزی: معتضد باللہ (۲۷۹-۲۸۹) کے زمانہ میں تھا جس کے نام پر حسب تصریح ابن القفطی اس نے اپنی کتاب "احداث الجو" معنون کی تھی۔

الفضل بن حاتم النیریزی ...	فضل بن حاتم نیریزی ....
کان الفضل متقدماً فی علم	فضل علم ہندسہ و ہیئت کے علماء متقدمین
الهندسة وهیئة الافلاک	میں سے تھا، وہ متعدد مشہور کتابوں کا مصنف
وحرکات النجوم وله تآلیف	ہے۔ ان میں سے ایک ....
مشهورة منها ..... کتاب احداث	کتاب الاحداث الجو ہے جسے اس نے خلیفہ
الجو الفه للمعتضد[2]	معتضد باللہ کے واسطے تصنیف کیا تھا۔

[1] رسالہ فی ان الاشکال کلها من الدائرة (مشمولہ الرسائل المتفرقة فی الهیئة للمتقدمین و معاصری البیرونی شائع کردہ دائرۃ المعارف حیدرآباد ص ۳ اور ملک المنصور سے مراد عضد الدولہ ہے، چنانچہ ابو حامد الصغانی نے اپنی کتاب تسطیح الکرہ کو معنون کرتے ہوئے لکھا ہے "لخزانة مولانا الملک السید الاجل شاہنشاہ المنصور ولی النعم عضد الدولة وتاج الملة"
[2] اخبار العلماء باخبار الحکماء ص ۱۶۸۔ "احداث الجو" کے علاوہ النیریزی نے معتضد کے نام پر اپنی زیج بھی معنون کی تھی جس کا نام البیرونی "زیج معتضدی" بتاتا ہے (دیکھئے قانون مسعودی ج ۲ ص ۶۷۵)

یعنی النیریزی البیرونی سے تقریباً ۴ سال قبل تھا، پھر البیرونی نے النیریزی کی کتابوں سے استفادہ بھی کیا ہے، چنانچہ "قانون مسعودی" میں بارہا اس کے حوالے دیتا ہے (دیکھئے صفحات ۱۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۶۲، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴) پھر جس انداز میں وہ النیریزی کا ذکر کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ متقدمین ہیئت دانوں میں اس کا بہت زیادہ احترام کرتا تھا، چنانچہ قانون مسعودی میں وہ ایک مقام پر لکھتا ہے:

سوال فیما رای النیریزی فی حرکۃ الاوج[1]	حرکت اوج کے بارے میں نیریزی کا کیا خیال ہے۔

باینہمہ تقدم فاضل مقالہ نویس کا کہنا ہے کہ النیریزی بھی بیرونی کے شاگردوں میں تھا،

(ك) محمد بن موسیٰ الخوارزمی: مامون (۱۹۸ - ۲۱۸) کے زمانے سے تعلق رکھتا ہے یعنی البیرونی سے ڈیڑھ سو سال قبل۔ پھر وہ (البیرونی) خوارزمی کا اس درجہ عقیدتمند تھا کہ ایک شخص ابوطلحہ طیب نے زیج خوارزمی پر اعتراضات کیے تھے تو اس نے ان کے رد میں ایک مستقل کتاب "ابطال البہتان بایراد البرہان علی اعمال الخوارزمی فی زیجہ" ۳۶۰ اوراق پر مشتمل تصنیف کی تھی، چنانچہ اپنی مصنفات کی فہرست میں اس کتاب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"عمل ابوطلحۃ الجبیب فی ذلک شیئاً یوجب مناقضتہ فعملت ابطال البہتان

بایراد البرھان علی اعمال الخوارزمی فی زیجہ"

ایک اور شخص ابوالحسن الاہوازی نے بھی زیج خوارزمی کی تنقیص میں ایک کتاب لکھی تھی اور بیرونی نے اس پر محاکمہ کیا تھا، چنانچہ اپنی فہرست کتب میں لکھتا ہے

وعثرت لابی الحسن الاھوازی	اتفاقاً مجھے ابوالحسن اہوازی کی اس موضوع پر
علی کتاب فی ھذا الباب ظلم فیہ	(زیج خوارزمی کے رد) پر ایک کتاب ملی جس میں
الخوارزمی فاضطررت الی عمل	اس نے خوارزمی کے ساتھ انصاف نہیں کیا، لہذا
کتاب الوساطۃ بینہما فی ... ۲۰۰ ورقۃ	مجبوراً مجھے دونوں پر محاکمہ لکھنا پڑا

[1] قانون مسعودی ج ۳ ص ۱۰۰

البیرونی نے زیج خوارزمی کی تعلیل میں بھی ایک کتاب بعنوان "المسائل المفیدہ والجوابات السدیدہ" تعالیٰ ۲۰۰ اوراق میں لکھی تھی۔

یہ تو البیرونی کو خوارزمی کے ساتھ عقیدت ہے مگر فاضل مقالہ نویس ہمیں باور کرانا چاہتے ہیں کہ خوارزمی بھی البیرونی کے شاگردوں میں تھا۔

(ل) ابراہیم بن سنان بن ثابت البیرونی کی پیدائش سے ستائیس سال قبل وفات پاچکا تھا۔ چنانچہ ابن ابی اصیبعہ لکھتا ہے:

ابو اسحٰق ابراھیم بن سنان بن	ابو اسحاق ابراہیم بن سنان بن ثابت
ثابت بن قرۃ... وکانت وفاتہ	ابن قرہ......... اس کی وفات
فی یوم الاحد النصف من المحرم	روز یکشنبہ ۱۵ محرم الحرام ۳۳۵ھ
سنۃ خمس وثلاثین وثلثمائۃ ببغداد[1]	کو بغداد میں ہوئی۔

البیرونی نے ابراہیم بن سنان کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے چنانچہ وہ اکثر اس کے حوالے دیتا ہے، مثلاً استخراج الاوتار (ص ۱۴۴) افراد المقال فی امر الظلال (ص ۱۰) جہاں ابراہیم بن سنان کی کتاب الظلال کا حوالہ دیتا ہے وغیرہ۔

باینہمہ فاضل مقالہ نویس کا خیال ہے کہ ابراہیم بن سنان بھی البیرونی کا شاگرد تھا۔

(م) ارشمیدس (Archimedes) کا سال وفات تو خیر قبل مسیح ہے ہی، ثابت بن قرہ جس نے ارشمیدس کی ان دو کتابوں کا ترجمہ کیا ہے اس کا سال وفات بھی ۲۸۸ھ ہے جیسا کہ ابن القفطی نے لکھا ہے:

مات ثابت بن قرۃ وھو جد...	ثابت بن قرہ نے ۲۸۸ھ
سنۃ ثمان وثمانین ومائتین[2]	میں وفات پائی۔

یعنی ثابت بن قرہ البیرونی کی پیدائش سے پون صدی قبل وفات پاچکا تھا۔ پھر البیرونی ثابت بن قرہ کے ترجمہ کیے ارشمیدس کے "الدوائر المتماسہ" کا حوالہ بھی دیتا ہے (دیکھئے استخراج الاوتار ص ۲۱۸) پھر بھی فاضل

[1] طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ ج ۱ ص ۲۲۶ [2] اخبار العلماء باخبار الحکماء ص ۸۵

مقالہ نویس نے اسے البیرونی کے شاگردوں کی فہرست میں شمول کر دیا۔

(ن) ابوبکر الکرخی اگرچہ البیرونی کا ہم عصر ہے مگر معاصر مقدم ہے کیونکہ البیرونی نے ۴۴۰ھ میں وفات پائی تھی اور الکرخی نے ۴۱۰ھ میں اسے کسی طرح البیرونی کا شاگرد نہیں سمجھنا چاہیے۔

( ) اسی طرح ابن الہیثم بھی البیرونی کا معاصر متقدم ہے کیونکہ اسکا سال وفات حسب تصریح ابن القفطی ۴۳۰ھ کے قریب ہے

"الحسن بن الحسن بن الهيثم ابو على المهندس البصرى نزيل مصر ...... مات بالقاهرة فى حدود سنة ثلاثين واربعمائة۔"[1] [الحسن بن الحسن بن الہیثم مہندس بصری متوطن مصر نے .... قاہرہ کے اندر ۴۳۰ھ کے قریب وفات پائی]

اس لیے اسے بھی کسی طرح البیرونی کا شاگرد نہیں کہا جا سکتا۔

غرض ان اکتالیس کتابوں میں سے صرف چار کتابیں تو البیرونی کی تصنیف ہیں اور اس طرح ان پر "عنوان مقالہ" صادق آسکتا ہے، بقیہ کتابیں یا تو اس کے استادوں کی ہیں یا ان لوگوں کی جو اس سے متقدم تھے۔ مگر فاضل مقالہ نویس کو اصرار ہے کہ ان کتابوں کے مصنفین البیرونی کے شاگرد تھے یا شاگردوں کے شاگرد۔

اور اس سے زیادہ افسوسناک امر یہ ہے کہ فاضل تعارف نویس نے بھی اس تحقیق انیق پر مُہر توثیق ثبت فرما دی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"Some of These Tracts of Al-Beruni himself or of his disciples, were published by The Dairat'al-Ma'arif of Hyderabad."

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

---

[1] اخبار العلماء باخبار الحکماء ص ۱۱۴-۱۱۵

خواجہ خوردؒ اور اُن کی فارسی رباعیات

از جناب پرنسپل مسعود احمد صاحب ایم اے حیدرآباد سندھ

(۲)

امام ربانیؒ اور خواجہ خوردؒ اوپر عرض کیا گیا ہے کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (متوفی ۱۰۳۴ھ) کے خواجہ خوردؒ پر بڑے الطاف و عنایات تھے۔ اور خواجہ خوردؒ کے گھرانے سے جو کچھ امام ربانیؒ کو ملا تھا اس کا ان کو پورا پورا اعتراف تھا۔ چنانچہ ایک مکتوب میں خواجہ عبید اللہ عرف خواجہ کلاںؒ اور خواجہ عبداللہ عرف خواجہ خوردؒ کو تحریر فرماتے ہیں:-

..... بعد الحمد والصلوۃ و تبلیغ الدعوات بہ جناب مخدوم زادہائے کرام می نماید کہ ایں فقیر از سر تا قدم غرق احسانہائے والد بزرگوار شما است دریں طریق سبق "الف" و "ب" را از ایشاں گرفتہ است و ہجے حروف ایں راہ از ایشاں آموختہ و دولت اندراج النہایۃ فی البدایۃ برکت صحبت ایشاں حاصل کردہ و سعادت سفر در وطن رابصدقہ خدمت ایشاں یافتہ توجہ شریف ایشاں در دو نیم ماہ ایں ناقابل را بہ نسبت نقشبندیہ رسانیدہ و حضور خاص ایں اکابر را عطا فرمودہ و دریں مدت قلیلہ آنچہ از تجلیات و ظہورات و انوار و الوان و بے رنگیہا و بے کیفیہا کہ بطفیل ایشاں رو دادہ چہ شرح دہد و چہ بیان تفصیل آں نماید الخ[1]

---

[1] مکتوبات شریفہ مکتوب ۲۶۶ ص ۳۱۰

مندرجہ بالا مکتوب بہت طویل اور ص ۳۱۱ سے ص ۳۳۶ تک پھیلا ہوا ہے، اسکا خلاصہ یہ ہے:

یہ فقیر سر سے پاؤں تک آپ کے والد صاحب کے احسانات میں غرق ہے، اور فقیر نے اس راہ میں "الف" "با" سے لیکر آخر تک انہی سے حاصل کیا ہے، جو دولت حضور کی درگاہ سے ملی ہے، اگر تمام عمر کے لیے سر کو جناب کی بلند درگاہ کے خادموں سے پامال کراتا رہے تو بھی جناب کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ بذات خود موجود ہے۔ اور تمام اشیا، اس کی ایجاد سے موجود ہیں۔ حق تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں یگانہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات و افعال اس کی ذات کی طرح بیچون و بیچگون ہیں۔ اللہ تعالیٰ حلول و اتحاد سے پاک ہے۔ طب و نجوم اور علم تہذیب و اخلاق کے جو علوم حکما کے یہاں ہیں ان کو انھوں نے گذشتہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں سے چرا کر اپنے باطل اور بیہودہ خیالات ملا کر، رائج کیا ہے۔ امام غزالی نے بھی اس کی تشریح اپنے رسالے "المنقذ عن الضلال" میں کی ہے۔ بدبختوں کے رئیس افلاطون نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جواب میں کہا کہ "میں ہدایت یاب ہوں۔ مجھے تمہاری ہدایت کی ضرورت نہیں۔" اس بدبخت نے اس بات کو نہیں دیکھا کہ ان کے دم کرنے سے مردہ زندہ ہوتے ہیں۔ کوڑھی اور اندھے اچھے ہوتے ہیں لیکن کینہ و عداوت میں بلا غور کیے کہدیا۔ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کو فقیر ولی جانتا ہے۔ اور ان کی وہ تحقیقات جو خلاف شرع شریف ہیں، قابل قبول نہیں جانتا لیکن ان کی یہ خطا خطائے اجتہادی ہے۔ خدا ان کو معاف کرے گا۔ بعض لوگ حضرت شیخ کے خلاف ہیں اور ان کو برا کہتے ہیں اور بعض ان کی تحقیقات نسکر کو حق جان کر عمل کرتے ہیں، یہ دونوں فریق افراط و تفریط میں مبتلا ہیں۔ حضرات انبیا علیہم السلام اسباب کو برتتے ہیں، لیکن مسبب پر نظر رکھتے ہیں، آخرت میں مومن اللہ تعالیٰ کو بے جہت، بے کیف اور بے شبہ اور بے مثال جنت میں دیکھیں گے۔[1]

---

[1] محمد ہاشم علی جے پوری: "در لاثانی" (خلاصۂ مکتوبات امام ربانی) مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ، ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۹ء ص ۱۳۲

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (متوفی ۱۰۳۴ھ) اپنے مخدوم زادوں کی خدمت کو اپنے لیے سعادت تصور کرتے تھے۔ ایک مکتوب جو مرزا حسام الدین احمد (متوفی ۱۰۴۳ھ) کو تحریر کیا ہے۔ اس کی تلخیص یہ ہے، اس کے آخر میں آپ نے اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

ہمارا طریق وہی حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا طریق ہے۔ اور ہماری نسبت وہی نسبت ہے۔ اس طریق سے کون طریق زیادہ اور بہتر ہے اور اس نسبت سے کونسی نسبت بہتر ہے؟ جس کو فقیر اختیار کرے۔ شیخ علاء الدولہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جس قدر واسطے اور وسیلے زیادہ ہوں اسی قدر راستہ زیادہ صاف اور نزدیک ہوگا۔ اور فقیر اس طریق کی ہر بات کو مد نظر رکھ کر عمل کرتا ہے اور سر مو مخالفت اور نئی بات کو پسند نہیں کرتا۔ میرے لیے سعادت ہے کہ مخدوم زادوں کی خدمت کروں۔[1]

حضرت خواجہ خوردؒ کو بھی حضرت امام ربانیؒ سے خاص لگاؤ اور نسبت تھی، آپ وقتاً فوقتاً سرہند حاضر ہوتے رہے، جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے، حضرت خواجہ خوردؒ نے حضرت امام ربانی کی خدمت بابرکت میں مکتوبات بھی بھیجے ہیں، دو مکتوب یہاں نقل کیے جاتے ہیں جن سے ان کے کمال محبت و عشق کا اندازہ ہوتا ہے۔

عریضۂ اولیٰ :- عرضداشت بندہ مہجور پر تقصیر محمد عبد اللہ آں کہ اوقات گرامی بدعائے سلامت آں حضرت می گذرد و ندامت و پشیمانی کہ بر دوری از خادمان حضور دارد و آں قدر ست کہ گفت و نوشت نگنجد۔ چندیں شوریدگی و سرگردانی روے دادہ کہ بشرہ ازاں اشعار نتواں کرد۔ سراپا درد و اندوہ است و ایں خداوند کریم را شکر کہ در نسبت و رابطہ باطن کہ حاصل آں فنا و نیستی ست ذاتاً و صفتاً و عیناً و اثراً فتورے نیست۔ و چگونہ فتور راہ یابد؟ کہ بعد

---

[1] در لاثانی۔ (خلاصہ مکتوب امام ربانی اردو) ص ۱۱۸

از رجوع بوطن اصلی ہوائے غربت در سر نمی ماند و انہائے غریب اوعاد بر و اسرار عجیبہ جلوہ گری سازند و باطن ما بہ ہیچ ازیں ہا التفات نیست - بدریائے عالم آب از سر گزراندہ اند ایں ہمہ بطفیل خدمت کار ... و بندگی آں حضرت است ذات والائے آنحضرت تا قیامت بر مفارق طلاب و سلاک باقی باد ![1]

عریضۂ ثانیہ :- عرض داشت کمترین خدام والا درگاہ محمد عبد اللہ بعرض اقدس باریافتگان و دادہ بردگان محفل خادمان کل حضرت خداوندے قبلہ گاہی دام ارشادہ می رساند کہ احوال بداں گونہ می گذرد کہ بیان آں فرصت درازی طلبد تا سر انجام کار چیست و آخر کجا کشند ؟ شورشے شگرف سراپا پیچیدہ دریائے حقیقت مواج است ہر لحظہ موج دیگر بر روے کار دارد و قطرہ را با مواج بودن شریعت عشق - ہیہات ہیہات ! چہ می نویسم ؟ در حضرت قطب دائرہ ظہور دیوانگی سر دیگر بدیوانگی بخشند ؎

گہ گریم و گہ خندم و گہ افتم و گہ خیزم   آموختہ ام مستی از دل بر مستانہ

اے قبلہ خدا پرستاراں گرمی نمایند تا از گرداب جنون بساحل ہوش افتم - زیادہ بریں گستاخی ست - العبد دیتہ انتہی[2]

ذوق شاعری | صوفیائے کرام کے متعلق اکثر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ زاہد خشک ہوتے ہیں، ان کو شعر و شاعری سے کیا سروکار ہو سکتا ہے، یہ خیال صحیح نہیں، شاعری کا تعلق واردات و جذبات و کیفیات قلب سے ہے، اور حضرات صوفیائے کرام کا دل ان کیفیات سے معمور رہتا تھا اس لیے ان میں شاعری کا جذبہ سب سے زیادہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ حضرت خواجہ خورد بھی شاعری کا ذوق

[1] زبدۃ المقامات ص ۶۸ - ۶۹ [2] ایضاً ص ۶۹

رکھتے تھے، صاحب حضرات القدس، شیخ بدر الدین علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں :

"آپ کے اشعار گلوگیر اور دلپذیر ہوتے ہیں"[1]

اور صاحب زبدۃ المقامات، محمد ہاشم کشمی کے بیان سے تو خواجہ موصوف کے ذوق شعر گوئی پر اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے، لکھتے ہیں :

"الحق ایں مخدوم زادہ در غایت بے تعینی اند و از آں جا کہ مغلوب توحید وجود گشتہ اند از نظارہ مظاہر جمیلہ حظ فراواں دارند و استماع سرود و اغانی نیز لذت بے پایاں۔ اکثر شوریدہ حال و فارغ البال بانظر است و کلاہ کج بکو ہا و بانہا سیری نمایند و اشعار پرسوز می خوانند و آہ گرم و سرد از دل پر درد می بر آرند و خود نیز اشعار زیبا می فرمایند و بلاحظہ انتساب خود بحضرت ایشاں (امام ربانیؒ) تخلص دراں احمدی می نمایند۔

روزے راقم در خدمت ایشاں بود ایں بیت را بدیہہ فرمودند ؎

گشت گلستاں بہانہ ایست نگار را   بوے تو آوارہ کردہ باد صبا را

اشارہ بفقیر فرمودند کہ تو نیز چند بیت بریں ملحق گرداں - ایں بندہ ایں دو بیت سرود عفا نخست ؎

راز نہانی بلب رساند دل امشب   خوے کبوتر کرد داد بلبل ما را

خلق بہ محراب ابروئے تو بسجود زند   شیشۂ دل بشکنند قبلہ نما را[2]

مرزا عبد الستار بیگ سہسرامی نے مندرجۂ بالا عبارت کا اردو ترجمہ بھی کر دیا ہے[3]، انھوں نے حضرت خواجہ خورد کا تخلص احمدی بتلایا ہے، مگر صاحب حیات باقیہ، محمد رحیم بخش دہلوی احمد بتاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :

آپ نے اپنا تخلص احمد رکھا تھا اور برجستہ گوئی میں بے نظیر ناظم تسلیم کیے جاتے تھے۔[4]

[1] حضرات القدس مترجمہ خواجہ احمد حسین ص ۲۶۲ [2] زبدۃ المقامات ص ۹۹ [3] مسالک السالکین فی تذکرۃ الواصلین ج ۲ ص ۱۴۹ [4] حیات باقیہ

محمد ہاشم کشمی اور مرزا عبد الستار بیگ سہرامی کے خیال میں حضرت خواجہ خورد نے حضرت شیخ احمد سرہندی سے نسبت کی بنا پر احمدی تخلص اختیار کیا تھا، مگر حافظ محمد رحیم بخش دہلوی کے نزدیک آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کا نام نامی ذکی الدین احمد رکھا تھا، اس لیے آپ نے احمد تخلص رکھا۔[۲]

خواجہ خورد کی غزلیات وغیرہ کا کوئی مجموعہ دستیاب نہیں ہوتا۔ البتہ ان کی شرح رباعیات (۱۰۵۳ھ) کا ایک قلمی نسخہ خوش قسمتی سے میری نظر سے گزرا ہے، اس کا مختصر سا تعارف کرانے کے بعد چند رباعیات اور نمونۂ شرح پیش کیا جاتا ہے۔

شرح رباعیات | محترم و مکرم رضا محمد صاحب نے احقر کے قیام دہلی کے دوران میں جون ۱۹۶۰ء میں گوالیار سے ایک جلد ارسال فرمائی۔ اس میں دو قلمی کتابیں تھیں۔ ایک خواجہ عبید اللہ المعروف بہ خواجہ کلاں کی تصنیف "مبلغ الرجال"[۳] (۱۰۴۰ھ) اور دوسری خواجہ عبد اللہ المعروف بہ خواجہ خورد

[۱] سالک السالکین فی تذکرۃ الواصلین ج ۲ ص ۱۴۹ [۲] حیات باقیہ [۳] "ایں رسالہ را "مبلغ الرجال" نام کردہ" دیباچہ میں سبب تصنیف یہ بتایا ہے:۔ "امابعد گوید بندہ سرافگندہ ۔۔۔۔۔ احقر عبید اللہ ۔۔۔۔ کہ چوں آراء اہل فکر و نظر و اقوال ارباب کشف و شہود در معرفت حقیقت عالم بر یک منہاج واقع نشدہ است ۔۔۔ در نہاد ایں احقر العباد مرکوز فرمودہ ایں حقیر را ابراں داشت کہ مذاہب مذکورہ را بہ ترتیبے کہ ترقی از ادنی و اعلیٰ حاصل آں باشد فراہم آوردہ واقوم آں را از اعوج، و مبین آں را از مدلج باز نمودہ خدمتے بقدر استطاعت خود برائے اولاد امجاد ۔۔۔۔۔ بجا آورد۔"

نسخہ مذکورہ کا سنہ تالیف ۱۰۶۱ھ ہے۔ جیسا کہ ترقیمہ کی اس عبارت سے ظاہر ہے:۔

وقد فرغت من تسوید ہذہ العجالۃ صحوۃ یوم الثلثا عاشر جمید

الاول سنہ ستین بعد الالف الخ

اس نسخہ کا سنہ کتابت ۱۲۶۸ھ۔ خاتمہ پر تحریر ہے:۔ "تمت تمام شد ۱۱ محرم ۱۲۶۸ھ۔"

کی "شرح رباعیات" (۱۰۵۳ھ)

آخر الذکر کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔

شرح رباعیات میں ۴۶ رباعیاں ہیں، صفحات پر نمبر نہیں ہیں، اندازاً ۱۵۴ صفحات ہوں گے۔ تقطیع ۶ × ۹، خط نستعلیق ہے، روشنائی سیاہ ہے، خوشنمائی کے لیے ہر سطر پر سرخ روشنائی سے خط کشید کر دیے گئے ہیں، "رباعی" کا لفظ سرخ روشنائی سے لکھا ہے۔ صفحہ ۱۳۲ تک شرح ہے، اس کے بعد خاتمہ ہے، جو صفحہ ۱۵۴ پر ختم ہوتا ہے۔

اس شرح کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:۔

رب یسر بسم اللہ الرحمن الرحیم وتمم بالخیر

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

امابعد بر برادران دینی و دوستان یقینی عرضہ می دارد کہ ایں فقیر حقیر را مدتہا در خاطر می گذشت کہ رباعی چند در بیان معارف صوفیہ محققین و علوم عظماء المکاشفین بقصد متابعت واقفہ او اکابر بہ نظم آوردہ شود۔ ہر گاہ تصور خود را در گفتن فرض شعر ملاحظہ می کرد موقوف می گذاشت تا آنکہ در شعبان ہزار و پنجاہ و دو آں ملاحظہ کہ از مطلب بازمی داشت یک بار از خاطر برداشتند و در اندک وقتے چہل و چند رباعی صورت تمامی گرفت و چوں نیک نظر کنی صورت شعری آں رباعیات باوجود کمال دقت معانی و مطالب نیز بجا ماندہ است، و از جہت آنکہ محتاج و بیان و شرح بود ورقے چند در توضیح شرح آں نوشتہ می شود۔ امید واثق چناں ست کہ در اثنائے آں حل مشکلات ایں علم و رفع اشتباہات بعضے سالکاں کہ از کتب دیگر بہ آسانی ہمہ کس را میسر نباشد واقع شود انہ علیٰ کل شئ قدیر۔"[۱]

[۱] شرح رباعیات قلمی ص ۱ و ۲

مذکورۂ بالا اقتباس سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ رباعیات اور اس کی شرح ۱۰۵۲ھ میں لکھی گئی ہیں، نیز رباعیات کا موضوع "معارف صوفیہ" کا بیان ہے،

جو قلمی نسخہ ہمارے پیش نظر ہے اس کا سنہ کتابت ۱۲۶۳ھ ہے، جیسا کہ ترقیمہ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

تمام شد کتاب مستطاب شرح رباعیات زبدۃ العرفا و قدوۃ الکبرا حضرت خواجہ عبد اللہ قدس سرہٗ عرف حضرت خواجہ خورد خلف ارشد حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس اللہ سرہ العزیز بتاریخ بست و نہم محرم الحرام ۱۲۶۸ھ نبوی از روز دوشنبہ وقت تمام شد۔

ہستی کہ بود ذات ہمہ موجودات … او را نہ بود بجز خودش ذات و صفات
واجب و ممکنات باشد صورش … فانظر فی الخلق ان فیہا آیات

ذاتے کہ بذات و صفات است توئی … ذاتے کہ بذات خویش ذات ست توئی
ذاتے کہ شیون ثابتان ست توئی … ذاتے کہ وجود ممکنات ست توئی

فاعل کہ وجود قابلیت دارد … گہ وحدت و گاہ واحدیت دارد
گہ روح و گہے مثال و گاہے جسم ست … گہ شکل لطیف جامعیت دارد

شرح رباعیات قلمی ص ۵۵

گویند کہ حادث زمانی ست جہاں … چوں جزو جہاں بود مسمّاے نہاں
ایں قول چگونہ صادق آید در عقل … فالعالم حادث بذات الرحمان"

وحدت بود اصل فرع او وحدت فش … بیرون ز قیاس آمد شرح و فش
ہر چند بہر ظہور دارد نظرے … جز ذات محمد نباشد بہ فش

دانی چہ بود برزخ اول حق را؟ … بیش از تفصیل علم مجمل حق را؟
از برزخ آخر ار بپرسی گویم … از نوع بشر عارف اکمل حق را

اے وحدت موطن ادراک بسیط … ادراک بسیط تو بود بحر محیط
پیدا از کل چو ضیا از کوکب … پنہاں ہمہ چو ... تو نہ سلیط

رب العالم کہ مفضل انعام است … علم تفصیلش وجود عام است۔
گویند عماء و احدیت او را … یک ذات بود ولیک چندیں نام است

ادراک مرکب است بہ علم ثانی … آں علم کہ باشد نفس رحمانی
آں جا کہ خود نیست باغذائی یک جا … منزل دارد حقیقت انسانی

جمعے ز ارواح اہل تاثیر شدند … جمعے دیگر براہ تدبیر شدند
جمعے فارغ زایں و آں مستغرق … در ذات شہنشاہ جہانگیر شدند

ارواح اگرچہ در بساطت علم اند … محتاج بماہیت منزل عدم اند
ترکیب علی الجملہ بود لازم شان … زاں در امکان ذات راسخ قدم اند

آمد وسط مظاہر نور مثال … در مرکز او ظہور حق یافت کمال
در ایمن او روح بابر جسم است … نہ روح نہ جسم نام او ہست خیال

دریاے خیال نیست جز حضرت او … زاں دریا جو ولے خیال من و تو
ذات تو طلسمے است کہ دارد صد گنج … سر بست دقیق، ہاں تو بشناسی نکو

ایں جملہ ظہورات کہ کردیم بیاں … پیدا است جدا جدا ہمہ در انساں
ہر چند بہ تفصیل مبین گشتہ … رنگ اجمال ہم در وہست عیاں

عالم انساں در روح و جسمش انساں … بے او عالم بود جسمے بے جاں
زاں ست کہ گفتہ اند اہل عرفاں … انساں را غایت ظہور رحماں

انساں کہ ز علم و روح و جسم است توی … شد کندہ پاے خویش در راہ روی
سبحان اللہ کہ جامعیت ست در ذات … گاہیش رشید گردد گاہیش غوی

جز ذات چہ چیز است مقدم بر علم … بر علم حیات شد، مقدم در علم

از مبدء وحدت ست تا غایت جسم   ظاهر گشته برنگها از هر اسم

ای کرده محل به ذرهٔ دانش و فهم   بگذر زپی قوس کثرت بینی چو سهم

بنشسته ازیں مظاهر رنگا رنگ   بر چشم بصیرت تو جز پردهٔ وهم

توحید چو در عروج پیدا گردد   سالک چه عجب که مست و شیدا گردد

بخشد بے زکوٰۃ خاص بنی   در حال نزول اگر هویدا گردد

نزد عارف که هست ز ارباب وصول   وحدت آمد عروج و توحید نزول

گر در معقول منکشف شد موجود   گر در موجود مضمحل شد معقول

کلی در عین جزئی آمد مشهود   زیں سان باشد صفت به ذاتش موجود

بالجمله که هست و نیست در طور وجود   هر چیز که هست جز نمود و نبود

ذاتش صفت و صفت بود فعل و اثر   فعل است نزد عارف حق منظر

گر دیدهٔ دل بار کشائی بینی   کیں هر همه ظاهر از یک دیگر

درخویش فرو رو و ببیں هر همه را   یک سوے شتاباں و سوے دیگر همه را

گفتم خدائی و خودی هم درست   بگذر ز فریب و بگذار آں و همه را

اے سالک راه حق جویاے وصال   بشنو سخنے ز وحدت اصل اصول

هر چیز که هست حق در و مشهود است   خواهی مشهود باش خواهی معقول

اے محض نمود چند بینی او وجود   چشمے بکشا که نیست جز حق مشهود

عین تو بود ظل و تو ظل ظلی   ظل را نه بود وجود جز محض نمود

آں ذات که در مظاهر آیات نمود   در نظرهٔ چشم وهم و جنات نمود

دانی چه بود حقیقت ایجادش   عکسے در علم بود و در ذات نمود

روحے داری و جسم زیں با بگذر   از مذهبها برم زد و نیا بگذر

آویز به عشق واحد حق صمد   زیں جمله گمانها و یقینها بگذر

در جسم تو روح هست روح اندر حق   پیدا است ز هر مقید ای مطلق

در دیدهٔ عارف حقایق به مثل   حق چو مصدر بود جهاں مشتق

جز هستی نیست هیچ هستی دیگر   جز قدرت نیست هیچ دستے دیگر

گاهے به عروج رفت گاهے به نزول   نبود بجز ایں بلند و پستی دیگر

آں نسبت مجهول که دارد همه چیز   با ذات مقدس منزه زتمیز

گر تربیت نسبت مذکوره کنی   گردی به عنایت خداوند عزیز

ادراک بسیط باشد آں نسبت پاک   ظاهر ز محیط عرش تا مرکز خاک

این ست حقیقت حبیب ذاتی   در باب حقیقت از بیان "لولاک"

در علم و یقیں با همه حق مبیں   چوں آب به برف و نقطه با دائره بیں

این ست معنے که حق را با است   بر مشرب پاک و اهل حق الیقیں

گویند که شهود علمی و عینی حق   بے پرده بود محال حرف مطلق

مثلش نه بود مثال دارد لیکن   ایں نکته بسے دقیق آمد الحق

دو رکن ولایت اند حب و عرفاں   که غالب حال و اهل ایں گاهے آں

ایں را شرف است آں ذکر را فضل است   ایں فضل و شرف ز یک دگر گشته عیاں

گر باطن ای و گہے ظاهر ما   در هر دو صفت اول ما آخر ما

ایں هر دو کمالی ناشی از رحمت تست   اے عالم ما ثنائی با قادر ما

سر لیست غریب عشق و در فرلیست عجیب   ما را چه خبر بود از اں سر غریب

در خواب فتادہ ایم تا روز آید — پیدا الٰہی شویم الّا بہ کثیب

جاں باطنی تو، تن بود ظاہریت — آں اولے تو ایں بود آخریت

عین ہمہ و ایں ہمہ غیر تو اند — سبحان اللہ! ز وسعت قادریت

اے آں کہ بہ تن عمل، بہ جاں ایمانی — ہم فرقانی کنی و ہم قرآنی

پیدائی تن و نہانی جاں از تست — گوئی کہ تن تنی و جانِ جانی

ہم عین ہمہ است و ہم باطن ہمہ — ہم ظاہر اوست و ہم ظاہر ہمہ[1]

ہمہ باطن او ہمہ است و در ہمہ است — ہمہ در دست و با ہمہ اوست ہمہ

مشہود گذار و غیر مشہود طلب — موہوم بہل، جلوۂ موجود طلب

مقصود ہمہ نفی کن از خود، آں گہ — از خواجہ نقشبند مقصود طلب

اے دل بہ غم فراق او راحت بیں — در ذلِ طلب گاری او عزت بیں

گر سالک راہ خواجۂ احراری — خالی ز ہمہ نسب شود نسبت بیں

از خواجۂ بیرنگ کہ باقی بحق است — در علم طریقت اللہ اللہ سبق است

تفصیل سخن دریں مقام ار خواہی — بیروں ز فزوں ز وسعت صد ورق است

در کون و مکاں نیست عیاں جز یک نور — ظاہر شدہ آں نور با نوع ظہور

حق نور، تنوع و ظہورش عالم — توحید ہمیں است و دیگر وہم و غرور

صد شکر کہ نورِ حق بہ صورت دیدم — در صورت انس بحر رحمت دیدم

دیدم ہمہ اصناف ولایت یک جا — تا خواجہ حسام دین ملت دیدم

الحمد کہ از معرفتم مرزوقی — با فضل تو دارد شرف مسبوقی

دریافتہ ام عاشق و معشوقی — در حضرت شیخ احمد فاروقی

[1] بقول ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب، یہ رباعی مشکوک معلوم ہوتی ہے۔ قلمی نسخوں میں کاتب نے اسی طرح لکھا ہے۔ مسعود

تا گردنِ قبول شیخ الہ آدم — امید نجات آخرت حق دارم

روزے کہ بہ من سپرد نسبت ما را — در حجر عنایت ازل افتادم

نوع کا نمونہ

بہتر نیست غریب عشق و غربت عجیب — ما را چہ خبر بود ازاں سرّ غریب

در خواب فتادہ ایم تا روز آید — بیدار نمی شویم الّا بہ کثیب (۳۶)

خواب را مراتب بسیار است و خلاصی از جمیع مراتب آں جز در "کثیب" کہ غایت مقامات کشف است میسر نیست "جنت الکثیب الذی لیس فیہ نعیم الا الروئیۃ ولیس للمخلوق فیہ دخول الا وقت النظر ھو حضرت الحق۔" آں با تخلق بایں وصف است کہ "لا تاخذہ سنۃ ولا نوم" بوجہ مخصوص و تمیز ایں تجلیات دیگر نیز بہت اما غایت تخلقات ایں است و اشارات بہ آں وجہے از وجوہ دریں وقت ممکن نیست "اللّٰھم ارزقنا" حضرت شیخ عبد الکریم جیلی در کتاب "الانسان الکامل فی معرفت الاواخر والاوائل" حقائق ایں باب را نوشتہ است اگر تفصیلے خواہی بہ آں جا رجوع کن

جاں باطنی تو، تن بود ظاہریت — آں اولی تو ایں بود آخریت

عین ہمہ و ایں ہمہ غیر تو اند — سبحان اللہ ز وسعت قادریت (۴۳)

اشارت بہ آں می کند کہ حقیقت مطلقہ در روح بہ صفت بطون و اولیت و در جسم بہ صفت ظہور و آخریت نمودہ است و از کمال غیرت کہ اقتضائے آں می کند کہ غیر او موجودے نبود و ہیچ چیز بہ او نرسد بہ کمال قادری کہ وسعت کلی دارد عین ہمہ است و ہمہ را در غیرت موہومہ محبوس کردہ۔

وفات | محمد عالم شاہ فریدی دہلوی نے آپ کا سنہ وفات ۱۰۴۲ھ تحریر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"آپ نے ۱۰۴۲ھ میں بعہد شاہ جہاں بادشاہ انتقال فرمایا، آپ کا مزار مسجد آستانہ

خواجہ کے برابر ہی جنوب میں چھوٹی قبر سنگ مرمر کے بائیں دو سرا مزار ہے، سرہانے طاق بنے ہوئے ہیں"۔

احقر نے ماہ جون ۱۹۶۰ء میں خود دہلی حاضر ہو کر مزار مبارک کی زیارت کی۔ سرہانے سنگ مرمر کی ایک تختی لگی ہے جس پر سنہ وفات تحریر نہیں بلکہ یہ عبارت کندہ ہے:

حضرت خواجہ عبد اللہ، صاحبزادے خورد حضرت سیدنا سید رضی الدین احمد الملقب حضرت خواجہ باقی باللہ"[۲]

جو سنہ محمد عالم شاہ فریدی دہلوی نے لکھا ہے وہی صاحب خزینۃ الاصفیا مفتی غلام سرور لاہوری نے بھی لکھا ہے[۳]، مگر انھوں نے یہ سنہ خواجہ خورد نہیں بلکہ خواجہ بزرگ کے حالات کے ذیل میں خواجہ بزرگ کا سنہ وفات بتایا ہے۔ اور ان کو حضرت خواجہ باقی باللہ کا صاحبزادہ تحریر کیا ہے، حالانکہ بزرگ تو خود حضرت خواجہ باقی باللہ کا تخلص تھا۔ اکثر تذکرہ نویسوں نے یہ غلطی کی ہے۔ خواجہ خورد نے شرح رباعیات میں خواجہ باقی باللہ کو بزرگ سے خطاب کیا ہے۔ ایک رباعی میں فرماتے ہیں:

از خواجہ بزرگ کہ باقی بحق است — در علم طریقت اللہ اللہ سبق است
تفصیل سخن دریں مقام از خواہی — بیرون و فزون ز وسعت صد ورق است

شرح رباعیات کے خاتمہ پر بھی لکھا ہے:

...... این فقیر با اصحاب حضرت خواجہ بزرگ وا ز عنایات ایشان امید وار با پیدا کرد الخ

بہر حال یہ بات متحقق ہے کہ خواجہ بزرگ حضرت خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادے نہ تھے، بلکہ یہ خود حضرت خواجہ موصوف کا تخلص تھا۔ آپ کے صاحبزادے خواجہ عبید اللہ المعروف بہ خواجہ کلاں اور خواجہ عبد اللہ المعروف بہ خواجہ خورد تھے[۴]

۱؎ مزارات اولیاء دہلی ص ۶۳ ۲؎ نقل کتبہ مزار خواجہ خورد (درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلی) ۳؎ مفتی غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیا مطبوعہ مطبع ثمر ہند۔ لاہور ۱۲۸۱ھ ۴؎ مثنوی شریف قلمی۔ کتابت ۱۱۱۲ھ

اب تحقیق طلب امر یہ ہے کہ "۱۰۳۲ھ" حضرت خواجہ خورد کا سنہ وفات ہے یا نہیں؟ تحقیق یہی بتاتی ہے کہ یہ سنہ صحیح نہیں، کیونکہ ۱۰۵۲ھ میں تو شرح رباعیات تصنیف فرمائی ہے، جیسا کہ مقدمہ شرح رباعیات میں خود تحریر فرماتے ہیں:

...... تا آں کہ در شعبان سنہ ہزار و پنجاہ و دو آں ملاحظہ کہ از مطلب بازمی داشت بیک بار از خاطر بر داشتند" الخ[۱]

اس اقتباس کی روشنی میں اتنا تو کہا جا سکتا ہے کہ خواجہ خورد ۴۲ سال تک حیات رہے، کیونکہ ۱۰۱۰ھ میں ان کی ولادت ہوئی ہے، اسی طرح خواجہ کلاں کی تصنیف "مبلغ الرجال" کا سنہ تصنیف ۱۰۶۰ھ ہے۔ اس لیے ان کے متعلق بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ۵۰ برس تک ضرور حیات رہے، ان کا سنہ ولادت بھی ۱۰۱۰ھ ہے، مگر ان دونوں صاحبزادوں کے سنین وفات کا پتہ نہیں چلتا۔

۱؎ شرح رباعیات، قلمی

ہم نفسانِ رفتہ

یہ ملک کے مشہور صاحب طرز انشا پرداز جناب رشید احمد صاحب صدیقی کے سلسلۂ وفیات کے نئے مضامین کا مجموعہ ہے۔ جن میں مولانا سید سلیمان ندوی، نواب محمد اسمٰعیل خان اور افضل العلماء ڈاکٹر عبد الحق اور مولانا ابو الکلام آزاد وغیرہ جیسے حال کے مشاہیر ملک و ملت کی وفات پر اپنے تاثرات لکھے ہیں۔ یہ گویا ان کی مشہور کتاب گنج ہائے گرانمایہ کا دوسرا حصہ ہے۔ مطبوعہ معارف پریس۔

قیمت:۔ تین روپے ۵۰ نئے پیسے

پتہ:۔ دار المصنفین، اعظم گڈھ

سرجادو ناتھ سرکار کا محفوظہ مخطوطات

از جناب سید مقیت الحسن صاحب مہتمم بوہار سکشن نیشنل لائبریری کلکتہ

سرجادو ناتھ سرکار، ہند جدید کے ان مایہ ناز مورخین میں تھے جن کی مثال نہ صرف ہندوستان بلکہ علمی دنیا میں کمتر مل سکے گی، ہندوستان کے عہد وسطیٰ خصوصاً آخری عہد مغلیہ کی تاریخ میں ان کا نام حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے، عہد مغلیہ کی تاریخ میں سب سے پہلی کتاب آپ کے قلم سے "انڈیا آف اورنگ زیب" نکلی جو ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئی تھی، اس کے بعد مسلسل "ہسٹری آف اورنگ زیب" (پانچ جلدوں میں)، "شیواجی اینڈ ہز ٹائمز"، "مغل ایڈمنسٹریشن"، "فال آف دی مغل ایمپائر" (چار جلدوں میں) وغیرہ شائع ہوتی رہیں، اور کم و بیش نصف صدی مسلسل قوم و وطن اور تاریخ و ادب کی خدمت کے بعد مئی ۱۹۵۸ء میں یہ بھی علمی شمع ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئی[1]، وفات کے تقریباً سال بھر بعد اگست ۱۹۵۹ء میں ان کے محفوظہ مخطوطات نیشنل لائبریری کلکتہ میں منتقل ہوگئے، اس محفوظے کی جملہ کتابوں کی تعداد تقریباً ڈھائی ہزار ہے جنہیں مطبوعات اور مخطوطات کے علاوہ فوٹو کاپی، اہم نقشہ جات اور موصوف کی غیر مطبوعہ کتابوں کے مسودے اور مضامین بھی کچھ شامل ہیں جو ہندی، بنگلہ، مراٹھی، اردو، فارسی اور انگریزی

[1] یہ فہرست صرف مشتے نمونہ از خروارے کی حیثیت رکھتی ہے، جو لوگ انکی جملہ تصنیفات اور تفصیلی سوانح حیات کے بارے میں علم حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ ہری رام گپتا کی درج ذیل کتاب کا مطالعہ فرمائیں

جادو ناتھ میموریل سرکار میموریل (کومیموریشن) والوم۔ جلد اول: لائف اینڈ لیٹرز آف سرجادو ناتھ سرکار

جلد دوم: ایسیز پریزنٹیڈ ٹو سرجادو ناتھ سرکار، مرتبہ ہری رام گپتا۔ شائع کردہ پنجاب یونیو۔

زبانوں پر مشتمل ہیں، یہ تمام کتابیں تاریخ کی ہیں اور بیشتر عہد مغلیہ کے آخری دور (۱۷۵۹ - ۱۸۳۷ء) کے حالات سے تعلق رکھتی ہیں کیونکہ یہی دور جادو ناتھ کی تاریخ و تحقیق کا موضوع تھا۔ فارسی مخطوطات کی تعداد دو سو سے کچھ اوپر ہے۔ ان میں بیشتر وہ نسخے ہیں جو اصل قلمی کتابوں کی نقل ہیں، جو دنیا کے مختلف کتب خانوں سے حاصل کئے گئے ہیں۔ اور یکجل مخطوطات کی تعداد ایک درجن سے زیادہ نہیں، اور ان میں بھی چند مخطوطات ایسے ہیں جن کے نسخے مختلف لائبریریوں میں موجود ہیں، اور بعض چھپ بھی چکے ہیں، مثلاً اکبرنامہ، خلاصۃ التواریخ، وقائع نعمت خان عالی، رقعات شاہ عباس ثانی یا منشآت طاہر وحید، احوال سکندرہ و موتی مسجد اور تاریخ مبارک شاہی وغیرہ نقل شدہ نسخوں میں خطاطی اور قدامت کے لحاظ سے کوئی خاص بات نہیں ہے، تقریباً تمام منقولہ نسخے نستعلیق میں لکھے ہوئے ہیں، کتابت بھی سب کی تقریباً یکساں ہی ہے، کاتب کا نام اکثر نسخوں میں ندارد ہے۔ صرف دو اشخاص کے نام ہیں، ایک مولوی فصیح احمد صاحب دوسرے ان کے صاحبزادے مولوی عبد الجلیل۔ یہ دونوں موضع زہٹ ضلع گیا (صوبہ بہار) کے رہنے والے تھے۔ سرجادو ناتھ سرکار کے بیشتر مخطوطے انھیں دونوں کے نقل کیے ہوئے ہیں۔

اس ذخیرہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی تاریخ کے ایک خاص دور کے متعلق اتنا بڑا ذخیرہ ایک جگہ نہیں مل سکتا اور اس کو اس محنت سے جمع کیا گیا ہے کہ ایشیا اور یورپ کے جس کتب خانہ میں بھی مصنف کو اپنے مطلب کی کسی کتاب نادر کا پتہ چلا جس طرح بھی ہو سکا اس کی نقل حاصل کی، چنانچہ اس ذخیرہ میں خدا بخش لائبریری پٹنہ، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ، رضا لائبریری رامپور، علی گڈھ مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڈھ، کتب خانہ آصفیہ (اسٹیٹ سنٹرل لائبریری) حیدرآباد دکن، جے پور اسٹیٹ آرکائیوز جے پور، کپورتھلہ اسٹیٹ لائبریری کپورتھلہ، نٹور لائبریری سیتامئو (مالوہ)، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، برٹش میوزیم، انڈیا آفس،

بوڈلین، رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹین اینڈ آئرلینڈ، کتب خانہ فرانس (بلیوتھیک نیشنلے پیرس) اور برلن لائبریری وغیرہ کے مخطوطات کے کسی نہ کسی مخطوطہ کی نقل موجود ہے۔ ان میں کتابیں بھی ہیں اور مغلیہ حکمرانوں کے فرامین اور ان کے رؤسا و امرا کے مکتوبات بھی۔ درحقیقت یہی اخبارات، عرائض، فرامین اور مکتوبات سارے کلیکشن کی جان ہیں۔ اس مخطوطے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ مخطوطات کے حاشیوں پہ جا بجا سرجادوناتھ سرکار کے گرانقدر نوٹس ہیں، کہیں مختصر کہیں طویل۔ ان میں کسی نئے نسخے کا پتہ ہے یا کسی میں کسی کتاب کی قدر و قیمت اور اسکی اہمیت کا ذکر ہے۔ کسی میں کسی واقعہ کے قابل وثوق اور ناقابل وثوق ہونے کی بحث ہے کہیں کسی پیچیدہ عرضداشت اور فرمان کی گتھی سلجھانے کی ہے کہیں کسی ایسے شاہی منصبدار یا امیر کی زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے جس کے حالات پردۂ خفا میں تھے۔ یہ وہ خصوصیات ہیں جو اس کلیکشن کے دیکھنے والے ہر مبصر کو نظر آتی ہیں، سرجادوناتھ سرکار کو بھی اپنے کلیکشن کی اہمیت اور گرانقدری کا پورا احساس تھا۔ چنانچہ اپنے ایک مضمون "اے چیپٹر آف مائی لائف: ہاؤ مائی لائبریری گریو" مطبوعہ ماڈرن ریویو بابت ماہ جنوری ۱۸۵۵ء میں اپنے کتب خانہ کی تاریخ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "بالآخر ایک ایسی لائبریری تیار ہوگئی جس میں ہندوستان کے عہد وسطیٰ پر کام کرنے کے لیے خاصہ مواد جمع تھا، ہند و بیرون ہند کے مختلف کتب خانوں کے نایاب و نادر قلمی نسخوں کی نقلیں، اہم نقشہ جات اور فوٹو کاپیز کا ایک ایسا منتخب ذخیرہ جس کا مطالعہ اس عہد پر کام کرنے والے ایک اسکالر کے لیے ناگزیر ہے۔"

یہ اس تاریخی مخطوطہ کا مختصر سا تعارف ہے جس کو سرجادوناتھ سرکار نے کم و بیش سالہا سال میں جمع کیا تھا، اب اس کی چند اہم کتابوں کا تذکرہ بھی سن لیجئے۔

اخبارات، عرائض اور فرامین | یہ حصہ تقریباً چالیس چھوٹی بڑی جلدوں پر مشتمل ہے، جو درحقیقت

مخطوطات سارے مخطوطہ کی جان ہے۔ ان کا کچھ حصہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹین اینڈ آئرلینڈ، کچھ جے پور اسٹیٹ آرکائیوز اور کچھ رگھوویر لائبریری سیتامئو (مالوہ) کے مخطوطات کی نقل ہے، یہ اخبارات جن کا پورا نام "اخبارات دربار معلی" ہے اورنگزیب عالمگیر کے چوبیسویں سال جلوس سے لیکر اکیاونویں سال جلوس (۱۶۸۰ - ۱۷۰۶ء) تک کی سلسلہ وار تاریخ اور روزمرہ کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے۔ گو ان میں سے بعض اخبارات میں پورے بارہ مہینوں کے حالات نہیں ملتے۔ پھر بھی ان میں بڑے کافی اور بیش قیمت معلومات ہیں، اور دست برد زمانہ سے جو اخبارات بچ گئے ہیں، اس کی تعداد بھی کافی ہے اور اسکا بڑا حصہ خود ہمارے ملک میں موجود ہے اور اس کی سب سے زیادہ تعداد جے پور اور مالوہ کے کتب خانوں میں ہے بلکہ ان کو ان کا مخزن کہا جا سکتا ہے۔ ان کے علاوہ بمبئی، حیدرآباد، بھوپال، رامپور اور نیشنل آرکائیوز نئی دہلی وغیرہ میں بھی ان کی خاصی تعداد ملتی ہے۔ یہ اخبارات ہندوستان کے عہد وسطیٰ (خصوصاً عہد مغلیہ) کی تاریخ کے لیے جس قدر اہم اور ضروری ہیں اس کے بیان کی حاجت نہیں۔ یہ اخبارات زیادہ تر (درباری وقائع نگار کے علاوہ) ان مندوبین اور وکلا کے مرتب کردہ ہیں جو مختلف صوبہ جات کے گورنروں، آزاد اور نیم آزاد ریاستوں کے راجاؤں اور دارالسلطنت سے باہر رہنے والے شاہزادوں کی طرف سے انکی وکالت کے لیے دربار میں رہا کرتے تھے، ان مندوبین کے فرائض میں وکالت کے علاوہ دربار کے تمام جزئی واقعات و حالات کو ریکارڈ کرنا اور ان سے اپنے آقاؤں کو باخبر رکھنا بھی شامل تھا،

مگر یہ عرائض و فرامین مسلسل نہیں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن جن عرائض و فرامین کی موصوف کو ضرورت پڑی تھی انھیں کی نقلیں حاصل کی تھیں۔ پھر بھی ان کی تعداد کافی ہے

اور ان میں بڑا قیمتی مواد ہے، ان عرایض و فرامین کا بھی بیشتر حصہ عہد عالمگیری ہی سے متعلق ہے، جو صرف ایک مورخ کے لیے اہم تاریخی مواد مہیا کرتے ہیں، بلکہ ایک عام قاری کے لیے بھی نہایت دلچسپ ہیں۔

ہفت انجمن | یہ دربار عالمگیری کے رؤسا، و امرا اور خود حضرت اورنگ زیب علیہ الرحمہ کے اہم مکتوبات و فرامین کا نہایت عمدہ مجموعہ ہے، مرتب کا نام اودیراج عرف طالع یار ہے، یہ ایک نومسلم کایستھ تھا اور فارسی انشا پردازی میں دستگاہ کامل رکھتا تھا، مدتوں نواب رستم خاں (یکے از امرائے شاہجہانی) اور مرزا راجہ جے سنگھ کے سکریٹری کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ یہ مجموعۂ مکاتیب طالع یار کے انتقال (جون ۱۶۷۵ء) کے بعد اس کے لڑکے حمایت یار نے ۹۹-۱۶۹۸ء کے درمیان ترتیب دیا، یہ کتاب سات ابواب پر منقسم ہے۔ ایک "انجمن" کے نام سے موسوم ہے، اسی رعایت سے کتاب کا نام "ہفت انجمن" ہے، اس کتاب کے مختلف حصے مختلف کتب خانوں (معروف اور غیر معروف) میں بکھرے ہوئے تھے۔ سرجادوناتھ سرکار کی تلاش وجستجو کا یہ کمال ہے کہ ان بکھرے دانوں کو انھوں نے یکجا کیا۔ اس کتاب کا سب سے پہلا نسخہ ان کو فرانس کے قومی کتب خانے ببلیو تھیک نیشنلے پیرس میں دستیاب ہوا جس کی انھوں نے نقل حاصل کی، مگر یہ نسخہ نامکمل تھا، اس لیے دوسرے حصوں کی تلاش بھی جاری رہی۔ جوئندہ یابندہ۔ اسی دوران میں ان کی ملاقات علامہ شبلی نعمانیؒ سے ہوئی، "ہفت انجمن" کا ذکر چھیڑا تو علامہ نے بتایا کہ بنارس کے کسی رئیس کے پاس اس کتاب کا ایک دوسرا نسخہ موجود ہے۔ چنانچہ مولانا ہی کے توسط سے سرجادوناتھ سرکار کو بنارس والا نسخہ دستیاب ہوا جس سے بہت بڑی کمی پوری ہوگئی، ان مکتوبات سے عالمگیر کے تخت سلطنت حاصل کرنے کی کوششوں اور ان کے دکھنی محاربات پر پوری روشنی پڑتی ہے۔ ذیل میں اس کتاب کے ہر حصے کی فہرست درج کی جاتی ہے:۔

انجمن اول :- مشتمل بر عرایض رستم خاں بہ خدمت اعلیٰ حضرت شاہنشاہی حضرت شاہجہاں پادشاہ۔

انجمن دوم :- مشتمل بر عرایض [illegible] وبعدہ از جانب مرزا راجہ جے سنگھ بہ اورنگ زیب عالمگیر۔

انجمن سوم :- مشتمل بر عرضداشت راجہ جے سنگھ بہ اورنگزیب عالمگیر از دیار دکن۔

انجمن چہارم :- دو مجموعہ فراہم آورد۔ مجموعہ اول عرایض رستم خاں بہ شاہزادگان شاہجہانی۔ مجموعۂ دوم عرایض مرزا راجہ جے سنگھ بہ شاہزادگانِ عالمگیری۔

انجمن پنجم :- پنج مجموعہ فراہم آورد — مجموعہ اول مکتوبات رستم خاں بہ نواب سعد اللہ خان وزیر اعظم حضرت شاہنشاہی شاہجہان پادشاہ۔ مجموعۂ دوم مکاتیب مرزا راجہ جے سنگھ بہ امرائے عالمگیری۔ مجموعہ سوم۔ صحائف مرزا راجہ جے سنگھ بہ امرا و منصب داران دکن۔ مجموعۂ چہارم رقائم مرزا راجہ بہ امرائے عادل خانیہ و قطب الملکیہ۔ مجموعۂ پنجم خطوط مرزا راجہ بہ راجہائے پادشاہی کہ از جانب دکن رفتہ۔

انجمن ششم :- دو مجموعہ فراہم آورد۔ مجموعۂ اول مشتمل بر احوال و سوانح رستم خان و برادرش طاہر خان۔ مجموعۂ دوم مشتمل بر دانجات مرزا راجہ جے سنگھ بہ کنور رام سنگھ وغیرہ

انجمن ہفتم :- دو مجموعہ فراہم آورد۔ مجموعہ اول مشتمل بر مکتوبات نواب سعد اللہ خان و دلیر خاں۔ مجموعہ دوم متکفل بر منشآت کہ ولی نعمت مسودہ کردہ اند۔

آداب عالمگیری | ہفت انجمن کے بعد رقعات و فرامین عالمگیری کا یہ دوسرا اہم مجموعہ ہے، جسے دربار عالمگیری کے مشہور امیر شیخ ابوالفتح الملقب بہ منشی الممالک المخاطب بہ قابل خاں (باشندہ [illegible]) نے مرتب کیا تھا، یہ دو ضخیم جلدوں میں ہے اور اس سے عہد عالمگیری کے بہت سے گوشوں پر روشنی پڑتی ہے۔ آداب عالمگیری کے نسخے متعدد کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔ سرجادوناتھ سرکار کا مخطوطہ، خدابخش لائبریری پٹنہ کے نسخے کی نقل ہے، جو دوسرے تمام نسخوں کی بہ نسبت زیادہ صحیح اور مکمل ہے۔ آداب عالمگیری متعدد بار [illegible]

طبع ہو چکی ہے، اس لیے اس کے بارے میں زیادہ تفصیلات لکھنے کی ضرورت نہیں۔

احکام عالمگیری رقعات و فرامین عالمگیری کا یہ اہم مجموعہ، عنایت اللہ خاں بن شکر اللہ خاں کاشمیری کا مرتب کردہ ہے۔ عنایت اللہ خاں ۲۸ ویں سال جلوس عالمگیری میں وقائع نگار کی حیثیت سے دربار میں داخل ہوا، اور اپنے حسن خدمات کی بنا پر ترقی کر کے ۴۵ سال سال جلوس عالمگیری میں دیوان خالصہ کے عہدۂ جلیلہ تک پہنچا۔ عنایت اللہ خاں نے اورنگ زیب عالمگیر کے مختلف خطبوں، مکتوبات، احکام اور ارشادات کو مرتب کیا ہے۔ نسخۂ زیر بحث، رضا لائبریری رامپور کے مخطوطے کی نقل ہے، اس کتاب کے صرف دو نسخے ابتک دریافت ہو سکے ہیں۔ ایک مذکورہ بالا، دوسرا خدا بخش لائبریری پٹنہ کا مخطوطہ جس کا نمبر ۲۰۱۷ ہے، اس سلسلہ کی دوسری کتابوں یعنی دستور العمل آگاہی، کلمات طیبات مرتبہ عنایت اللہ خاں، رموز و اشارہ ہائے عالمگیری مرتبہ سعد مل اور رقائم کرائم وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ سرجادوناتھ سرکار کلکشن میں یہ تمام کتابیں موجود ہیں۔

ضوابط عالمگیری جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے یہ سلطنت عالمگیری کے دستور و ضوابط (مثلاً ذکر صوبجات، تذکرہ صوبہ داران مع دیگر منصبداران عالمگیری) کی ایک مختصر انسائیکلوپیڈیا ہے۔ یہ کتاب برٹش میوزیم لندن کے واحد نسخے (۱۶۳۱ـ۵۲) کی نقل ہے۔ اس میں ۳۳ ویں سال جلوس عالمگیری تک کے اعداد و شمار ہیں۔

فتوحات عالمگیری شروع سال جلوس سے ۳۴ ویں سال جلوس تک کی نہایت مکمل اور مستند مگر مختصر تاریخ ہے، اس کا مصنف ایشور داس ناگر پاٹن (گجرات) کا رہنے والا تھا، اور ناگر قبیلۂ برہمن سے تعلق رکھتا تھا۔ ایشور داس غالباً پہلا ہندو مصنف ہے جس نے عالمگیر پر قلم اٹھایا وہ نوجوانی سے تیس سال کی عمر تک دربار عالمگیری کے شیخ الاسلام کی ملازمت میں رہا اور اسی کے بعد شجاعت خاں گورنر گجرات کی سرکار سے منسلک ہو گیا۔ پھر اپنے حسن خدمات

کی بنا پر منصب، جاگیر اور دیگر انعامات سے سرفراز ہو کر خاص دربار عالمگیری کے امرا میں شامل ہو گیا۔ ایشور داس کی تاریخ پیدائش ۱۶۵۵ء بتائی جاتی ہے، اور اس کی تصنیف کی تاریخ ۱۷۳۱ء ہے، سرجادوناتھ سرکار کا نسخہ برٹش میوزیم کے نسخہ کی نقل ہے جس کا نمبر ۲۳۸۸۴ ایڈیشنل ہے، اس کتاب کا ایک دوسرا نسخہ ایڈنبرگ کالج لائبریری میں محفوظ ہے۔

تاریخ دلکشا اورنگزیب عالمگیر کے محاربات دکن (۱۷۰۷ء۔ ۱۶۵۵ء) کی تفصیلی تاریخ پیش ہے جو ابتدائے عہد عالمگیری سے شروع ہو کر شہزادہ کام بخش کی وفات پر ختم ہوتی ہے۔ اس کا مصنف بھیم سین برہانپوری غالباً دوسرا ہندو مصنف ہے جس نے اورنگزیب عالمگیر کی تاریخ لکھی۔ بھیم سین ۱۶۴۹ء مطابق ۲۲ ویں سال جلوس شاہجہانی میں برہانپور میں پیدا ہوا، اس کا باپ منشی رگھونندن داس برہانپوری دربار عالمگیری میں صوبۂ دکن کا مشرف (اکاؤنٹنٹ یا آڈیٹر) تھا، بھیم سین نے ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد ہی کے زیر سایہ حاصل کی، اس کے بعد سات سال تک اسکے نائب کی حیثیت سے کام کر کے دربار سے منسلک ہو گیا، بھیم سین نے اپنی کتاب محاصرۂ قلعۂ پنہالہ (کولہاپور سے دس میل اتر) کے دوران میں لکھی۔ سرجادوناتھ کا مخطوطہ برٹش میوزیم کے نسخہ کی نقل ہے۔

اورنگ نامہ اوائل عہد عالمگیری (جنگ تخت نشینی) کی ایک منظوم تاریخ ہے۔ مصنف کے نام کا ٹھیک پتہ نہیں چلتا، بیت مندرجہ ذیل سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے مصنف کا تخلص حقیری ہے۔

بیا اے حقیری ز لطف خدائے   بگو نعت پیغمبر رہنمائے

یہ کتاب اسٹیٹ سنٹرل لائبریری (کتب خانۂ آصفیہ) حیدرآباد کے نسخہ نمبر ۳۰۰۱ کی نقل ہے جو غالباً اس کتاب کا واحد نسخہ ہے۔ کتب خانۂ مذکور کی فہرست مخطوطات میں اس کتاب کے مصنف کا نام شیخ رفعت ہے۔ لیکن تخلص نہیں دیا ہے، ممکن ہے یہی اس کا تخلص ہو۔ یہ کتاب ۱۶۶۱ء کے لگ بھگ کی تصنیف ہے۔

وقائع ہولکر مرہٹہ قوم کے ہولکر خاندان کی تفصیلی تاریخ ہے، جو جسونت راؤ ہولکر والیٔ اندور

(۱۸۰۲ء) کے عہد حکومت میں تصنیف ہوئی۔ جسونت راؤ، تاکوجی ہولکر کا لڑکا تھا، اور اپنے بھائی کاشی راؤ ہولکر کے بعد اندور کے تخت پر بیٹھا، مغلیہ حکمرانوں میں اس وقت اکبر شاہ ثانی حکمراں تھا، اس کتاب کا مصنف موہن سنگھ دربار ہولکر کا ایک ملازم تھا، جس نے جسونت راؤ کے بخشی بھوانی شنکر کی استدعا پر یہ کتاب تصنیف کی۔ یہ واقعہ تقریباً ۱۸۰۸ء کا ہے۔ وقائع ہولکر کے صرف دو نسخے ابتک دریافت ہوسکے ہیں۔ ایک خدابخش لائبریری پٹنہ میں ہے، اور دوسرا بوڈلین لائبریری آکسفورڈ میں۔ سرجادوناتھ سرکار کا نسخہ خدابخش لائبریری پٹنہ کے مخطوطہ کی نقل ہے، جس کا سنہ کتابت وہی ہے جو اس کتاب کے تالیف کا ہے یعنی ۱۸۰۱ء۔ سرجادوناتھ نے اس کتاب کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا ہے جو ہنوز شائع نہیں ہوسکا ہے اور ان کے محفوظے میں موجود ہے۔

تاریخ شیواجی | اس کتاب کا اصل نام "تفصیل احوال عروج و خروج راجہاد سرداران دکن" ہے لیکن سرجادوناتھ نے اس کو تاریخ شیواجی کے نام سے موسوم کیا ہے اور ان کے نسخے پر بھی نام درج ہے۔ یہ قوم مرہٹہ کے بھونسلہ خاندان کی ابتدا سے لیکر شیواجی کے وفات اور تخت نشینی سانبھاجی (۱۶۸۰ء) تک کی مسلسل اور مستند تاریخ ہے۔ مصنف کا نام ہنوز محقق نہیں ہوسکا۔ مگر اتنا پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب ۱۷۷۱ء کے لگ بھگ کی تصنیف ہے۔ اس کتاب کے صرف دو نسخے ابتک دریافت ہوسکے ہیں۔ ایک برٹش میوزیم میں ہے جو اٹھارہویں صدی عیسوی یعنی تاریخ تصنیف سے قریب ہی زمانہ کا ہے، دوسرا انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہے، جس پر تاریخ درج نہیں ہے، سرجادوناتھ سرکار کی کاپی انڈیا آفس کے نسخہ کی نقل ہے۔

تاریخ عارف قندھاری | ابتدائے عہد اکبری سے ۱۵۷۹ء تک کی مکمل اور مستند تاریخ ہے، اس کا مصنف عارف قندھاری بیرم خاں خانخاناں کا میر ساماں تھا، اور اس کی موت تک اس کے ساتھ رہا۔ اور بیرم خاں کے قتل کے بعد مکہ معظمہ گیا اور حج و زیارت سے فراغت کے بعد واپس

صوبہ بہار میں اقامت گزیں ہوا، پھر کچھ دنوں کے بعد دربار میں حاضر ہوکر امرائے اکبری میں شامل ہوگیا۔ تاریخ عارف قندھاری پر ایک مفصل نوٹ جناب شری رام شرما صاحب کا "جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۳۳ء" میں شائع ہوچکا ہے، سرجادوناتھ کی کاپی کتب خانہ ریاست رام پور (رضا لائبریری) کے اصل نسخے کی نقل ہے۔

رقعات شیخ ابوالفضل | یہ رقعات، علامی فہامی کے مشہور مکتوبات اور منشآت سے (جو ابتک طبع ہوچکے ہیں) بالکل مختلف ہیں، اس لیے اس کا ذکر ضروری معلوم ہوا۔ یہ مجموعۂ مکتوبات ہنوز غیر مطبوعہ ہے، ان کے مرتب مسمی نور محمد کا بیان ہے کہ یہ وہ رقعات ہیں جو شیخ نے اپنے دوستوں اور ہم نشینوں کو لکھے۔ وہ فرماتے ہیں " رقعات کہ شیخ ابوالفضل بیاران ہمقرین دوستان ہم نشیں مرسول داشتہ بندہ نور محمد آن ہمگی را مجموعہ آوردہ۔" افسوس یہ ہے کہ سوائے چند ناموں کے (فیضی، حکیم ہمام اور حکیم ابوالفتح گیلانی) کسی اور مکتوب الیہ کے نام کا پتہ نہیں چلتا کہ یہ خطوط کن کن لوگوں کے نام لکھے گئے۔ یہ کتاب انڈیا آفس لائبریری کے نسخے کی نقل ہے جو غالباً اس کتاب کا واحد نسخہ ہے۔

فتوحات عادلشاہی یا تاریخ فزونی | سلاطین عادل شاہیہ کی تفصیلی تاریخ ہے۔ از ابتدائے عہد عادلشاہیہ تا ۱۶۴۵ء۔ اس کا مؤلف ہاشم بیگ المتخلص بہ فزونی استرآباد (ایران) کا باشندہ تھا۔ سلطان محمد عادل شاہ کے عہد حکومت میں (۱۶۲۶-۵۶ء) بیجاپور آیا اور مصطفیٰ خاں (کے از امرائے عادلشاہی) کے توسط سے دربار میں باریابی حاصل کی۔ سلطان نے انعام و اکرام سے نوازا اور عادلشاہیوں کی تاریخ مرتب کرنے کی خدمت سپرد کی۔ فتوحات عادل شاہی کا ابتک صرف ایک نسخہ دریافت ہوسکا ہے جو برٹش میوزیم میں ہے۔ سرجادوناتھ کی کاپی اسی کی نقل ہے۔

محمد نامہ | مصنفہ ظہور بن ظہوری۔ سلاطین عادل شاہی کی ایک دوسری اہم اور نایاب تاریخ ہے جو سلطان مذکور سلطان محمد عادل شاہ کے عہد میں لکھی گئی۔ محمد نامہ کا نسخہ نہایت نادر و نایاب ہے۔

اس کی صرف ایک کاپی کپورتھلہ اسٹیٹ لائبریری پنجاب میں تھی جس کی نقل سرجادوناتھ سرکار نے حاصل کی۔

ریاض القوانین مرتبہ عیاض (یا ایاز) تھانیسری۔ ہمایوں سے اورنگ زیب عالمگیر تک (بشمول شاہزادگان داراشکوہ و مرادبخش وغیرہ) کے نہایت اہم مکتوبات کا نادر مجموعہ ہے۔ اس کتاب کا اصل نسخہ جو غالباً واحد نسخہ ہے نواب علی حسن خاں صاحب (نواب صدیق حسن خاں کے لڑکے) کی لائبریری میں تھا۔ یہ نہایت ضخیم کتاب ہے، جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ سرکار کا نسخہ اس اصل کتاب کا اختصار ہے، جس کے مضامین زیادہ تر عہد عالمگیری سے تعلق رکھتے ہیں۔

سیرت فیروز شاہی سلطان فیروز شاہ تغلق کے ابتدائی عہد کی تفصیلی تاریخ ہے۔ اس کا صرف ایک نسخہ خدابخش لائبریری پٹنہ میں ہے۔ سرکار کی کاپی اسی نسخے کی نقل ہے۔ سیرت فیروز شاہی کا انگریزی ترجمہ پروفیسر کے۔ کے۔ باسو نے جرنل بہار اینڈ اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی میں بالاقساط (۳۸، ۲، ۱۹۳۶ء) شائع کرایا تھا۔

اب ہم اس کلکشن کے چند ادبی محلی مخطوطات کا تذکرہ کرتے ہیں جو بڑے نادر و نایاب ہیں اور ہنوز طبع نہیں ہوئے ہیں۔

رقعات نواز ش خاں صفحات ۹۰، تقطیع ۵×۲/۱ مختار بیگ ولد اسلام خاں رومی (دیکھئے امرائے شاہجہانی) کے رقعات کا مجموعہ ہے۔ مختار بیگ اپنے حسن خدمات کی بنا پر ۱۶۸۰ء مطابق ۲۴ ویں سال جلوس عالمگیری میں نواز ش خاں کے خطاب سے سرفراز ہوا۔ پھر ۱۶۸۶ء (مطابق ۳۰ ویں سال جلوس) میں فوجداری مانڈو عطا ہوئی اور اس کے بعد ۱۷۰۵ء مطابق ۴۸ ویں سال جلوس میں صوبہ داری کشمیر سے نوازا گیا۔ نواز ش خاں کے یہ خطوط صوبجات شمالی ہندوستان خصوصاً کشمیر اور مالوہ کے حالات پر گہری روشنی ڈالتے ہیں۔

ابتدا:- ایزد جل اعلیٰ آں نور حدیقہ سیادت واصطفا و نور حدیقۂ نبوت ۔۔۔۔۔

اختتام:- این رقعات نواز ش خاں بتاریخ بیست وچہارم شہر ذی الحجہ ۱۲۱۵ھ مطابق سنہ ہجری و ۲۳ سنہ جلوس عالم بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ وسلطانہ صورت اتمام یافت۔

اس کتاب کا کوئی اور نسخہ ابتک کسی کتب خانہ میں دریافت نہیں ہو سکا ہے۔

تاریخ شاہان دکن و قطب شاہی و نظام شاہی و بادشاہان خاندیش واحمدآباد و گجرات و برار و شاہان شرقی یعنی ملک جونپور و ملوک ملیبار و حکام و بادشاہان کشمیر صفحات ۱۳۰، تقطیع ۸×۲/۱ ۱۱ اس کتاب کا موضوع نام سے ظاہر ہے۔ افسوس کہ اس کے مصنف کا پتہ نہ چل سکا۔ یہ نسخہ بے حد کرم خوردہ ہے اور اس کے صفحات شروع اور آخر کے غائب ہیں، جس سے اس کے سنہ تالیف، تاریخ کتابت کسی چیز کا بھی پتہ نہ چل سکا۔ اس کتاب کا کوئی اور نسخہ کسی کتب خانے میں (جن کی فہرستیں شائع ہو چکی ہیں) اب تک مجھے نظر نہیں آیا۔

چہار گلزار شجاعی صفحات ۲۰۳۷، تقطیع ۲/۱ ۶×۲/۱ ۱۱ ہندوستان کی ایک عمومی تاریخ ہے، جو ابتدائے عہد مہابھارت سے شروع ہوکر مغلیہ خاندان کے حکمراں شاہ عالم ثانی المتخلص بہ آفتاب کے عہد حکومت پر ختم ہوتی ہے۔ اس میں اگرچہ دوسرے تاریخی حالات و واقعات نہایت مختصر ہیں، لیکن آخر میں مؤلف نے اپنے اور اپنے زمانہ کے چشم دید حالات و واقعات قلم بند کیے ہیں وہ تاریخی لحاظ سے بہت اہم ہیں۔ اس کا مصنف ہرچرن داس بن اودے رائے بن مکندرائے بن ساگرمل کائستھ میرٹھ کا باشندہ تھا۔ نادر شاہ کے حملہ کے بعد دلی آیا، پھر کچھ عرصہ بعد نواب شجاع الدولہ آف اودھ کے دربار سے منسلک ہوگیا، جہاں سے اخیر عمر تک وظیفہ پاتا رہا۔ یہ کتاب نواب شجاع کے نام سے معنون ہے۔

ابتدا: حمد گوییم آں خدائے پاک را صورت انسان نمودہ خاک را

اختتام:- ہرجا سہو وخطا رفتہ قلم اصلاح برآں جاری دارند کہ عاصی در عمر ہشتاد و دو سال کتاب را نوشتہ (گویا ۸۲ سال کی عمر میں مصنف نے یہ کتاب تصنیف کی)۔

سرورق کی عبارت:- چہار گلزار شجاعی تاریخ نہم ربیع الثانی ۱۱۹۵ھ نوشتن شروع نمودہ۔ تصنیف ہرچرنداس۔

اس کتاب کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں اور دوسرا پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں ہے۔ موخر الذکر نسخہ کے بارے میں ڈاکٹر سید عبداللہ کی رائے ہے کہ یہ خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

ہدایت القواعد صفحات ۱۵۲ تقطیع ۴½ × ۵½	مصنفہ ہدایت اللہ بہاری۔ سلطنت مغلیہ کے دستور و ضوابط پر نہایت اہم تصنیف ہے۔

ابتدا کی عبارت یہ ہے:-

"حمد بیحد مر خدائے عزوجل را...... و چوں در عہد پادشاہ عالم و عادل مظفر الدنیا والدین معین الدین محمد فرخسیر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و برہانہ کہ ظلمت جہاں را از آفتاب عدل منور ساخت...... این خاطر خیر خواہ خلایق ہادی ہدایت اللہ بہاری رسید کہ بزرگان اساس از انتظام مساجد پلہا و تالابہا و باغہا و مہمان سراہا برائے نام خود گذاشتند...... ہدایت القواعد نام نہادہ بر پنج باب منقسم گردانید کہ طالبان این فن بملاحظہ اش مطلع شوند۔"

باب اول فصل اول:- در کیفیت انسان کامل۔ فصل دوم: ماہیت ارادہ در دو بیان علم و بے علم۔ فصل سوم: دستور عمل سلطانی۔ فصل چہارم: دستور امور وکالت و وزارت، فصل پنجم: خانسامانی۔ فصل ششم: دستور بخشی گیری۔ فصل ہفتم: داروغگی غسل خانہ و دیوانخانہ۔

فصل ہشتم: دستور صوبہ داری۔ فصل نہم: فوجداری۔ دہم:- داروغگی توپخانہ۔ یازدہم: منشی گیری۔

باب دوم: در بیان صدر، قاضی، مفتی، محتسب، خرچ نویس، وقائع نگار و سوانح نگار، کوتوال، بشرف، پیشکار بخشی و امتیاز اہل خدمات وغیرہ۔ باب سوم: داروغگی کچہری، عدالت، دار الضرب، کارخانہ جات، اجناس و اموال، بیت المال، فیلخانہ، اصطبل، امور تحویلداری وغیرہ۔ باب چہارم: طریق صحبت فضلا، سلوک صاحبان با نوکران، استاد و مرشد با شاگردان، پدر و مادر با فرزند نشست ایستادہ حضور اہل دول وغیرہ۔

باب پنجم: سفر، طریق جمع داری، امور تجارت، دستور نویسندۂ دفاتر و مستوفی گیری وغیرہ

کتاب کی تاریخ تصنیف کے بارے میں لکھتا ہے: "در سنہ الف و مائۃ و عشرین ہجری مرقوم شد۔" یعنی ۱۱۲۰ھ مطابق [illegible] میں لکھی گئی۔ یہ نسخہ آخر سے ناقص ہے، پھر بھی جو کچھ ہے بہت غنیمت ہے۔ اسکے کسی اور نسخہ کا کہیں پتہ نہیں چلتا، کتب خانۂ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں البتہ ایک نسخہ ہے مگر بہت ناقص ہے۔

انشائے گلزار جعفری صفحات ۱۲۰، تقطیع ۵ × ۸½	مرزا محمد فاخر المتخلص بہ مکیں کے مکتوبات کا مجموعہ ہے، جسے انکے شاگرد جعفر خاں المتخلص بہ راغب نے ترتیب دیا ہے۔ مکیں دلی کے باشندے تھے۔

۱۷۵۹ء کے لگ بھگ لکھنؤ آئے اور یہیں قیام پذیر ہوگئے اور ۱۸۰۶ء میں انتقال کیا۔ اپنے دور کے مشہور شعرا میں گنے جاتے تھے۔ ایک دیوان بھی مرتب کیا تھا۔ یہ مجموعۂ مکتوبات چار ابواب پر منقسم ہے اور ہر باب ایک چمن کے نام سے موسوم ہے۔

چمن اول: مشتمل بر عرضی کہ بجانب حضور شاہ عالم عالی گوہر ارسال داشتہ۔

چمن دوم: مبنی بر مرسلائے کہ برائے بعضے از دوستان نگارش یافتہ۔

چمن سوم: منطوی بر مرسلات از جانب بعضے بہ بعضے در حل مشکلات ابیات اساتذہ رقم زدہ۔

چمن چہارم: محتوی بر رقعات کہ بجہت ایں نیازمند مرقوم گردید۔

ابتدا: "حمد وافر و ثنائے متکاثر مخصوص قادر بے مثالے و شایان آفرینندہ حسنا کمالیت...."

اختتام: "تمام شد نسخہ گلزار جعفری من تصنیف مرزا محمد فاخر مکیں قدس اللہ بروزہ شنبہ

بتاریخ پانزدہم شہر رجب المرجب قلمی نمود سنہ ۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۵ء -

اس کتاب کا کوئی اور نسخہ مجھے ابتک دریافت نہیں ہو سکا۔ مرتب نے اس کتاب[1] میں اپنے استاد کی دو ایک غزلیں بھی لکھی ہیں، جن کے کچھ اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔

کرم خوبانِ شبِ غم، شمع بتاں ہم اند ۔۔۔ نور بخشِ نظر از دیدۂ گریاں ہم اند

صحبت کرم بہم داشتہ شب تا بسحر ۔۔۔ در نظر چشم و چراغ دل سوزاں ہم اند

جرب زمی بہم از گرمی خاطر دارند ۔۔۔ بسکہ دلسوز ہم از شوق فراواں ہم اند

زندہ تا روز نشود اید کہ پیوستہ مکیں ۔۔۔ فارغ از باد فنا در تہ داماں ہم اند

گوشہ گیراں کہ خوش از کلبۂ احزان خوداند ۔۔۔ پا بہ دامانِ خود و سر بگریبانِ خوداند

عشرت آباد کساں در دل شاں جا نکند ۔۔۔ خاطر آسودہ نعم خانۂ ویرانِ خوداند

خانۂ آئینہ در سینۂ مردم بخشند ۔۔۔ با نظر باز دل و دیدۂ حیرانِ خوداند

سخت گیرند و قناعت طلب محنت کش ۔۔۔ خود و درد، خود و درمانِ خوداند

بے نیازند ز خلق و نہ بخود می بازند ۔۔۔ چشم پوشند ز مردم کہ نگہبانِ خوداند

باز بہر بزم مکیں کرم ۔۔۔۔۔۔ ۔۔۔ خانماں سوختگاں شمع شبستانِ خوداند

---

[1] اس کتاب پر ایک تفصیلی نوٹ لکھنے کا ارادہ ہے جس میں مکیں اور انکے شاگرد کی حیات اور شاعری سے بھی بحث ہوگی۔

کتابیات:- (۱) اسٹڈیز ان مغل انڈیا - سر جادوناتھ سرکار (۲) اسٹڈیز ان دی این آف اورنگزیب (ایضاً) (۳) اے چیپٹر آف مائی لائف: ہاؤ مائی لائبریری گرو اپ [جادوناتھ سرکار کا ایک مقالہ جو سہ ماہی اڈرن ریویو کے شمارہ جنوری ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا] (۴) جرنل آف دی پروسیڈنگس آف دی انڈین ہسٹوریکل ریکارڈس کمیشن منعقدہ ۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۵ء - (۵) جادوناتھ سرکار کومومورشین ولوم۔ جلد اول دوم مرتبہ شری ہری رام گپتا۔ (۶) اے ببلیوگرافی آف مغل انڈیا - شری رام شرما۔

موتمر مستشرقینِ عالم کا پچیسواں اجلاس ماسکو

از

جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب پیرس

تمہید جیسا کہ تین سال قبل (معارف مارچ ۵۸ء) میونک کے اجلاس کی رُوداد میں عرض کیا گیا تھا کہ اس اجلاس میں مستشرقین نے حکومت روس کی دعوت کو فیلۂ آرا منظور کیا تھا، چنانچہ یہ اجلاس ۹ تا ۱۶ اگست ۱۹۶۰ء کو ماسکو میں منعقد ہوا۔ اس کے مختصر حالات ناظرین معارف کی دلچسپی کا باعث ہونگے۔

تاریخ ۱۸۷۰ء میں جب بسمارک کے زمانے میں فرانس نے جرمنوں کے مقابلہ میں سخت ہزیمت اٹھائی تو صلح کے بعد فرانس نے سارے یورپ پر حکومت کرنے کے (نپولین والے) خواب کے بجائے مشرق کی فتح بہتر اور سہل تر خیال کی۔ اس مقصد کے لیے مشرق کے متعلق ہر قسم کے معلومات کی ضرورت تھی تاکہ فوجی فتح کے بعد تسلط قائم رکھنے میں سہولت ہو۔ چونکہ ان فتوحات میں تنہا اجارہ داری کے بجائے بٹوارہ ہی قابل عمل تھا، اس لیے سارے یورپ نے پورے مشرق کے متعلق ہر قسم کے معلومات فراہم کرنے میں تعاون کیا اور ۱۸۷۳ء میں پہلی موتمر مستشرقین اسی شکست خوردہ مقام پاریس میں منعقد ہوئی (جنگ ہٹلری کے بعد بھی پہلی موتمر پھر اسی شکست خوردہ پاریس میں ۱۹۴۸ء میں ہوئی)

اسکے بعد دوسرا اجلاس لندن ۱۸۷۴ء؛ (۳) سنٹ پیٹر سبورگ (حال لینن گراڈ) ۱۸۷۶ء؛ (۴) فلارنس (اٹلی) ۱۸۷۸ء؛ (۵) برلین (جرمنی) ۱۸۸۱ء؛ (۶) لائیڈن (ہالینڈ) ۱۸۸۳ء؛ (۷) ویانا (آسٹریا) ۱۸۸۶ء؛ (۸) اسٹاکہوم وکرسٹیانا (سویڈن و ناروے، مشترکہ طور پر) ۱۸۸۹ء؛ (۹) لندن ۱۸۹۲ء؛ (۱۰) جنیوا (سوئستان) ۱۸۹۴ء؛ (۱۱) پاریس (فرانس) ۱۸۹۷ء؛ (۱۲) روما (اٹلی) ۱۸۹۹ء؛ (۱۳) ہامبورگ (جرمنی) ۱۹۰۲ء؛ (۱۴) الجزائر ۱۹۰۵ء (۱۵) کوپن ہاگن (ڈنمارک) ۱۹۰۸ء؛ (۱۶) اثینہ (اتھنس، یونان) ۱۹۱۲ء؛ (۱۷) آکسفورڈ (برطانیہ) ۱۹۲۸ء؛ (۱۸) لائیڈن (ہالینڈ) ۱۹۳۱ء

(۱۹) روما (اٹلی) ۱۹۳۵ء؛ (۲۰) بروسیلز (بلجیم) ۱۹۳۸ء؛ (۲۱) پارلیس ۱۹۴۸ء؛ (۲۲) استانبول (ترکی) ۱۹۵۱ء؛ (۲۳) کیمبرج (برطانیہ) ۱۹۵۴ء؛ (۲۴) میونک (جرمنی) ۱۹۵۷ء؛ (۲۵) ماسکو (روس) ۱۹۶۰ء؛ آیندہ اجلاس غالباً ۳ سال بعد ہوگا۔

تتمۂ تاریخ کے طور پر یہ بتادینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مشہور فرانسیسی مولف موسیو بیناذی نے اپنی کتاب "فرانسیسی شمالی افریقہ خطرے میں" لکھا ہے کہ ۱۸۷۱ء میں جرمنی نے فرانس کے معدنیاتی علاقے الزاس اور لورین چھین لیے تھے، اسلیے فرانس کی توجہ ہٹانے کے لیے ایک دن بسمارک نے فرانسیسی سفیر سے کہا "تونس ایک پکا ہوا میوہ ہے، تم نہ لوگے تو کوئی اور اسے توڑ لیگا" چنانچہ ۱۸۸۱ء میں فرانس نے اس پرامن اور دوست ترکی صوبہ پر حملہ کر دیا مگر تدبیر کنند بندہ تقدیر کنند خندہ، پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر سارے اسلامی ممالک پر فرنگی قبضہ ہوگیا اور اب خدا کی قدرت کرشمے دکھا رہی ہے، اس موتمر کا مقصد اصلی ابتدا میں خواہ سیاسی رہا ہو مگر مستشرقین میں خالص علم دوستوں کی کمی نہیں۔

متفرقات ۱۹۶۰ء کے آغاز ہی سے روسی اجلاس کی دعوتیں اور اسکے متعلق دوسری اطلاعیں آنا شروع ہو گئی تھیں، اور بہت سے لوگوں کو موتمر سے زیادہ روس کے دیکھنے کی خواہش تھی اور یہ خیال تھا کہ سرمایہ پرستوں کی جہنم کی جگہ اشتراکی جنت میں ارزانی اور چیزوں کی افراط بہت زیادہ ہوگی، لیکن وہاں جاکر اچھے اچھے کھاتے پیتے لوگوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ قیام کے تین درجے تھے: درجۂ اعلیٰ میں تیس ڈالر (ڈیڑھ سو روپیہ) روزانہ، درجۂ متوسط میں ساڑھے ستاسی روپیہ روزانہ، اور درجۂ ادنیٰ میں ساڑھے سرسٹھ روپیہ روزانہ صرف قیام و طعام کا خرچ تھا۔ درجۂ ادنیٰ میں دو دو تین تین آدمیوں کے لیے ایک کمرہ تھا۔ اسٹیشن سے ہوٹل اور واپسی کا ٹیکسی کا کرایہ پچاس روپیہ بتایا گیا تھا، اس کے باوجود بہتوں نے ہمت کی تھی، لیکن بعد کے ایک اعلان میں بتایا گیا کہ ماسکو سے تاشقند، سمرقند، بخارا اور واپسی کا کرایہ کوئی بارہ سو روپیے (ہوائی جہاز میں) ہوگا، اور تاشقند میں ایک دن اور سمرقند و بخارا میں صرف چند چند گھنٹے قیام ہوگا تو بادل نخواستہ میں نے نہ جانے کا فیصلہ کیا: "قل انتظروا انا منتظرون"۔ اسلیے ذیل کے معلومات مطبوعہ اعلانات پر مبنی ہیں۔

حاضرین میں جو نظام نامہ تقسیم کیا گیا تھا اس میں بتایا گیا تھا کہ یونانی کیتھلک، پاپٹ اور ارمنی عیسائیوں کے گرجے ماسکو میں کہاں کہاں واقع ہیں اور یہودی کنیسے کہاں ہیں، مسلمانوں کے متعلق تھا کہ، شارع ویپولزد

میں مسجد ہے جس میں جمعہ کی نماز ایک بجے ہوتی ہے، اس میں ایک تاتاری الفضل عالم امام ہیں اور اچھی عربی بولتے ہیں، کبھی سو آدمیوں کی اچھی خاصی جماعت ہو جاتی ہے۔

سیر و دلچسپی کی چیزوں میں متعدد میوزیم تھے جن میں سے ایک مشرقی ثقافتوں کیلئے مختص ہے، اشتراکی حکومت کو اس سے ذاتی دلچسپی ہے، اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ زار کی حکومت گردی کے صرف چند ماہ بعد اسے قائم کر دیا گیا، مہمانوں کو ان عجائب خانوں کے علاوہ متعدد فلم، ناچ بھی مفت دکھائے گئے اور کریملن کے دار الامارۃ کی سیر بھی کرائی گئی۔

کانفرنس سے پہلے اخباروں، رسالوں میں مضامین چھپنے شروع ہو گئے تھے، روسی اکیڈمی علوم کی طرف سے ایک ماہوار رسالہ "سوویت ے فی ای دوستوک" (معاصر مشرق) نکلتا ہے، اسکی جولائی ۱۹۶۰ء کی پوری اشاعت قریب قریب موتمر سے مخصوص تھی۔ اسکے چند مضمون یہ ہیں: "عالمگیر اجتماع مستشرقین" از باباجان غفوروف۔ "ازبکستان میں مستشرقین" از صباحت عظیم جان بیگم۔ "سوویت مستشرقیت" از گمنام۔ "تاجکستان کے دریائے وخش کا تالاب جو زیر تعمیر ہے اور جس سے تیرہ لاکھ ایکڑ زمین زیر کاشت آجائیگی" از سینگوف۔ "بابرنامہ باتصویر" از پوزنر ناظم عجائب خانۂ ثقافت ہائے مشرقی۔ "بابائے اردو ڈاکٹر عبد الحق کی نود سالہ سالگرہ" از غنی الیو اکیم۔ "افغانستان میں" از تولن شمسی ایف کرغیزی۔ "سامرہ کی کھنڈر دیواروں میں" از ورجینیانس۔ "لبنان کی سیر" از کاتین۔ "ایران میں ارتجاعیت کا دور دورہ" از روما۔ "برطانوی بورنیو کا انجام" از ووتسکی۔ "مشرقی مطبوعات کا ذخیرہ" از دانیشتائن۔ "سرتانی ڈیڈن کے اعترافات حرم" از دونڈا دنیشکی وغیرہ۔ یہ سارے مضامین باتصویر ہیں، خاصکر بابرنامے کی تصویریں ۱۳ صفحوں میں بہت نفیس چھپی ہیں۔

وہیں سے "پروبلیمی وستوکو ویدے نیا" (مسائل معلومات مشرقی) نامی ایک سہ ماہی رسالہ نکلتا ہے، اسکی جولائی ۱۹۶۰ء کی اشاعت میں ۲۴۴ صفحے ہیں۔ یہ بھی روسی اکیڈمی علوم کیطرف سے چھپتا ہے، اسکے سرورق پر پہلی سطر میں کچھ چینی عبارت ہے، اور دوسری سطر دیوناگری خط میں प्राच्य विद्या - समस्याएँ اور تیسری سطر میں عربی خط میں "مسائل الاستشراق" لکھا ہے۔ اس کے بہت سے مضامین دلچسپی کے قابل ہیں۔ مثلاً

ہندوستان میں حکومتی سرمایہ داری۔ ایران و افغانستان کی سیاست خارجہ اور معاشی ترقی۔ پندرہویں صدی عیسوی کے آغاز پر ترکی کسانوں کی بغاوت۔ الروض المعطار لابن عبد المنعم الحمیری کا مخطوطہ مدینہ منورہ اور اس میں مشرقی وسطی و شمالی یورپ کا تذکرہ۔ ایرانی رزمیہ نظموں کا اثر بعض روسی شاعروں پر۔ ہندی آریائی زبانوں میں بعض الفاظ کی ساخت۔ موتمر مستشرقین عالم کے دونوں (تیسرے اور چھبیسویں) اجلاس کی عہد آفریں اہمیت۔ ترکمان اشعار کی ایک نادر بیاض۔ ابو الفرج ہارون کی کتاب الکافی (فی النحو العبرانی) کی اہمیت۔ بہرام چوبین اور اسکی تاریخ کے ماخذوں کا تقابل۔ لینن گراڈ کی اکیڈمی علوم کا شعبہ مشرق قدیم۔ چکوسلواکیہ میں ۱۹۵۹ء میں مستشرقیت۔ سید حبیب احمد وفا ایک انقلاب پسند شاعر اور عالم۔ ان کے علاوہ اور مضمون بھی ذکر کے قابل ہیں۔

سرزیوچنکو نے ایک مقالہ میں بتایا ہے کہ اجنبی زبانوں کے الفاظ و اصوات کا تلفظ روسی خط میں کس طرح دیا جائے اور اس سلسلے میں عربی، اردو، ہندی، فارسی، ترکی، پشتو، منگولی، جاپانی اور کسی قدر چینی کا بھی ذکر آیا (یہ واضح رہے کہ روسی میں ث، ع، غ، ح، ق، ذ، ص، ض، ط، ظ، نون غنہ تو کیا ج، ہ بھی نہیں ہیں، میرے نام جو دعوت نامہ آیا تھا اس پر پتہ میں "موخام ماد خامی دول لاغ" لکھا ہوا تھا۔

بیٹراچیک نے براتسلاوا (واقع چکوسلواکیا) کے مخطوطات عربی پر ایک مقالہ میں بتایا ہے کہ اس میں بوسینا (یوگوسلاویا) کے مسلمانوں کی تاریخ پر بعض اہم و مفید کتابیں اور دستاویز موجود ہیں اور ان مخطوطات کی ایک توضیحی فہرست تیار کر لی گئی ہے، اس مضمون میں اسکے علاوہ جن مخطوطوں کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہیں: نفحات الجنات فی اصول الاعتقادات۔ ازہار الروضات۔ نور الیقین۔ عقیدۃ اہل السنۃ۔ مفتاح العلوم للجرجانی۔ کافیہ لابن حاجب۔ مرقاۃ الوصول لملا خسرو۔ آداب البحث للابہری۔ التذکر فی زیارۃ اہل المقابر۔ تبشیر الغزوات فی سبیل اللہ۔

تیرہ صفحے کے ایک طویل مقالے میں جرمن شاعر گوئٹے کے "مغربی مشرقی دیوان" کے اقتباسات دیکر انکی نئی (اشتراکی) تعبیر کی گئی ہے۔ اس دیوان سے سر اقبال مرحوم بہت متاثر تھے، اور بجا طور پر تھے، اس میں شاعر نے مسلمانوں اور خاص کر رسول اکرمؐ کی بڑی توصیف کی ہے۔ وہ ایک پورا دیوان ہی حضور اکرمؐ پر لکھنا چاہتا تھا لیکن حالات

نے موقع نہ دیا، اس نے ایسی بہت سی نظمیں اور تشریحی یادداشتیں اپنی زندگی ہی میں شائع کیں۔ ایک نظم کو اس نے چھپائے رکھا تھا جو اس کے مرنے کے بعد اس کے کاغذوں میں ملی، اسے بھی اس کے ورثہ نے شائع کیا۔ اس میں رسول اکرمؐ کی پیروی کی اہمیت و افادیت پر زور دیا گیا ہے۔ یہ بھی پیش نظر رہے کہ گوئٹے اس زمانہ (۱۷۴۹ء تا ۱۸۳۲ء) کا شخص ہے، جب یورپی زبانوں میں اسلام اور پیغمبر پاکؐ پر صحیح اور اچھی کتابیں گویا لکھی ہی نہیں گئی تھیں۔ اس لیے اسکو اس کے خیالات و رجحانات کے باعث اس کے عہد اور اپنے ماحول کا باغی سمجھا جاتا تھا۔

زوگار ولیبیدین نے مشہور سنسکرت کتاب ارتھ شاستر مولفہ کاڈیلیا کے تازہ شائع شدہ روسی ترجمے پر سوا صفحے کی تنقید کی ہے، یہ کتاب اصول حکمرانی اور محصول اور ٹیکس کے مسائل پر ہے، اس کا انگریزی اور جرمن ترجمہ بھی ہو چکا ہے، اس کتاب کا مصنف اور ماکیاویلی اطالوی مصنف "پرنس" اخلاق و انصاف پر حکمراں کے ذاتی مفاد کو مرجح سمجھتے ہیں، کنفوشس نے بھی چینی میں اس موضوع پر جو کتاب لکھی ہے اس کے ترجمے موجود ہیں، امام ماوردی کی احکام السلطانیہ اور ان کے ہمعصر حنبلی امام ابو یعلی الفراء کی اسی نام کی کتاب احکام سلطانیہ چھپ چکی ہیں، اول الذکر کا تو جامعہ عثمانیہ نے اردو ترجمہ بھی چھپایا تھا۔ کاش کوئی علوم سیاسیہ کا ماہر (مثلاً پروفیسر ہارون خاں شروانی) ان کتابوں کا تقابلی مطالعہ کر ڈالتے، فالحق یعلو ولا یعلیٰ علیہ۔ ابو یعلی نے مصارف زکوٰۃ پر جو بحث کی ہے اس پر عش عش کرنا پڑتا ہے۔

بعض مہمان بھی کارگذاری دکھانے میں پیچھے نہ رہے، مثلاً چکوسلواکیا کی طرف سے مہمانوں میں دو کتابیں تقسیم کی گئیں۔ ایک انگریزی کا بند روزہ اخبار "نیو اورینٹ" اس کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے۔ دوسری فرانسیسی میں "مستشرقیت چکوسلواکیا میں"۔ اس میں عربیات، ایرانیات، مصریات، چینیات، ہندیات وغیرہ وغیرہ پر مستقل باب ہے، اس کے علاوہ چکوسلواکی کتابوں اور عالموں کے حالات اور تعلیم گاہوں کی موجودہ حالت کا ذکر ہے۔ عربیات کے سلسلے میں لکھا ہے کہ ۱۶۱۲ء میں یہاں "تردید قرآن" کے نام سے ایک کتاب چھپی تھی جس میں ضمناً قرآنی آیات کا چکوسلواکی زبان میں ترجمہ تھا، یہ قدیم ترین چکوسلواکی ترجمۂ قرآن ہے۔

نظم ونسق موتمر کا افتتاح نائب وزیر اعظم میکویان نے کیا جو علمی سے زیادہ سیاسی نقطۂ نظر کا حامل تھا، لیکن موتمر کی صدارت روس کے ممتاز عالم اور بلند مرتبہ عہدہ دار باباجان غفوروبئنے کی (جن کے ایک مضمون کا اوپر ذکر آیا ہے) انکی مادری زبان فارسی ہے۔ تین سال قبل موتمر میونک میں جو روسی وفد آیا تھا اسکے نگراں اور صدر بھی یہی تھے۔

اگرچہ دو ہزار مرد اور عورتیں موتمر میں شریک ہوئے لیکن مقالوں کا اعلان صرف (۷۰۶) افراد کے متعلق تھا، اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو ماسکو نہ جاسکے۔ مثلاً یہ ناچیز، ایسے لوگوں کی تعداد کافی تھی لیکن جو مقالے پیش ہوئے انکی تعداد بھی کئی سو تھی، جنکو انیس شعبوں میں تقسیم کیا گیا تھا، ان کی تفصیل یہ ہے:-

(۱) مصریات	(۱۰) وسط ایشیا (صدر نشین مومنوف)
(۲) اشوریات وبابلیات	(۱۱) ترکیات ومنگولیات (صدر نشین عظیموف)
(۳) سامی السنہ، عبرانی، بائبل	(۱۲) تاریخ ترکی
(۴) خطبات	(۱۳) قفقازیات (صدر نشین محمدوف)
(۵) بزنطیات	(۱۴) ہندیات
(۶) عرب ممالک (صدر نشین زاہدوف، ۳۴ مقالے)	(۱۵) جنوب مشرقی ایشیا (اندونیشیا وغیرہ)
(۷) عربی زبان (۲۵ مقالے)	(۱۶) چینیات (مگر خود چین سے کوئی شخص نہ آیا کیونکہ چینی اپنے کو عالمگیر قوم سمجھتے ہیں، محض مشرقی نہیں)
(۸) ایرانیات (صدر نشین علی زادہ)	
(۸) الف۔ افغانیات	(۱۷) کوریا
(۹) فارسی زبان	(۱۸) منگولیا۔ (۱۹) سیاہ افریقا۔

اس تقسیم میں بائبل کے لیے تو ایک شعبہ رکھا گیا تھا لیکن اسلام کے لیے نہیں، یہ مقالے عربی، روسی، جرمن، فرانسیسی یا انگریزی میں تھے، ان سات آٹھ سو مقالوں میں سے صرف ان چند کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے معارف کو دلچسپی ہو سکتی ہے، لیکن مجھے یہ علم نہیں کہ ان میں سے کتنے واقعی پڑھے گئے۔

مقالے ۱۔ اے ملامت (اسرائیل) حضرت سلیمانؑ کے تعلقات مصر سے۔

۲۔ اے آلٹ مان (امریکہ) یہودی اسلامی مباحثے کا ذکر الیا قلانی کے ہاں۔

۳۔ ایریل بارسبا (امریکہ) یہودی خاندان میمون کی طبابت اور انکا طب عربی کو یورپ پہنچانا۔

۴۔ محمد احمد حسین (قاہرہ) حروب صلیبیہ میں استعماری عنصر۔

۵۔ امین الخولی (قاہرہ) دریائے نیل اور دریائے والگا (روس) کے تعلقات۔

(۶) محمد الفاسی امیر جامعہ رباط (مراکش) مراکشی مخطوطات۔

(۷) لوی ماسینیوں (فرانس) عرب شہروں کی تشکیل۔

۸۔ تی لیویتسکی (پولینڈ) شمالی افریقہ کے اباضی (خوارج) تاجر قرون متوسطہ کے سوڈان میں۔

۹۔ کلود کاہن (فرانس) وقف کی حقیقت وآغاز۔

۱۰۔ ڈیوڈ نوبل باربور (برطانیہ) انگلستان کے بادشاہ جان کی سفارت مراکش کے "میرالمومنین" (امیرالمومنین) کے نام۔

۱۱۔ سلیمان مصطفےٰ زبیس (تونس) مغرب اقصیٰ کی اسلامی معماری میں محراب۔

۱۲۔ اولیگ گرابر (امریکہ) مقامات حریری کا باتصویر نسخہ۔

۱۳۔ ڈی ایس رائیس (برطانیہ) خراسان میں جولائی تا اگست ۱۹۵۹ء میں اثریاتی کھدائی

۱۴۔ جارج وکینس (کنیڈا) نصیر الدین طوسی کا تذکرۂ سقوط بغداد

۱۵۔ جے کرامرس (جرمنی) ابو عبیدہ، ابن درید اور غلام ثعلب کے بعض نو دریافت شدہ مخطوطے۔

۱۶۔ جارج اسکانلون (قاہرہ) قرون متوسط کے اسلامی فن حرب کے ماخذہائے معلومات۔

۱۷۔ نابیہ ایبوٹ (امریکہ) عربی بردی (پاپیروس) اور ابتدائے اسلام کی کتب حدیث۔

۱۸۔ محمد حمید اللہ (فرانس) تقویم ہجری (اس میں امام بیہقی کے ایک مخطوطے کی اشاعت

بتایا گیا ہے کہ ابتدائے اسلام کے مولفوں کے ہاں اس تقویم کا شمار بیعت عقبہ یعنی سنہ ۱ قبل ہجرت سے
یکم محرم سنہ ۱ ہجری کا ہے نیز ربیع الاول سنہ ۱ ہجری کے بعد کے آغاز سنہ یعنی یکم محرم سنہ ۲ ہجری سے
غرض تین مختلف سنہ پائے جاتے تھے۔ روایتوں میں سنین کے اختلاف کا اصل باعث یہی
معلوم ہوتا ہے، مثلاً غزوہ بنی المصطلق کی تاریخ موسیٰ بن عقبہ کے ہاں شعبان سنہ ۴ھ ہے تو ابن اسحاق
کے ہاں شعبان سنہ ۶ھ اور واقدی کے ہاں شعبان سنہ ۵ھ۔ نہ کہیں جھوٹ ہے نہ سہو بلکہ طریق
شمار کا فرق ہے اور بس۔ ایسی اور بھی مثالیں دی گئی ہیں اور زمانہ جاہلیت کے سال کبیسہ اور نسئی پر
بھی بعض نامعروف و نظرانداز حقائق کو اجاگر کیا گیا ہے)

۱۹۔ مجید خدوری (عیسائی ہیں، امریکہ) الرسالہ مؤلفہ امام شافعی
۲۰۔ مادام کراچ کوفسکی (روس) سولھویں صدی کے بعض نادر مخطوطات قرآن
۲۱۔ ڈی ایم ڈنلاپ (برطانیہ) لزبن کی اکیڈمی علوم (پرتگال) کے عربی مخطوطات۔
۲۲۔ آرادنالدیز (فرانس) عربی صرف ونحو اور اس کا اثر تفسیر قرآن پر
۲۳۔ ٹی شوموفسکی (روس) پندرہویں صدی عیسوی کا ایک عربی دائرۃ المعارف بحریہ۔ [غالباً
ابن ماجد اسد البحر کے رسائل کے متعلق۔
۲۴۔ سید مہدی روحانی (ایرانی مقیم فرانس) کیا فلسفے کا آغاز ایران سے نہیں ہوا؟
۲۵۔ محمد عبداللہ شعبان (امریکہ) الفتوح لابن اعثم من خراسان کا ذکر۔
۲۶۔ احمد علی کوہزاد (افغانستان) تاریخ افغانستان پر انیسویں صدی عیسوی کے بعض مخطوطات۔
۲۷۔ آلیسو بومباچی (اٹلی) غزنوی حکمراں مسعود اول کا تخت۔
۲۸۔ عبدالغنی مرزایف (روس) صفوی دور کے فارسی ادبیات کا نیا ماخذ (اس میں محمد بدیع
ابن محمد شریف الملیحا المتولد ۱۰۵۳ھ کی مذکرالاصحاب کے روس میں سات نسخے ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔)

۲۹۔ یوزیف ایلنباین (برطانیہ) برٹش میوزیم میں بلوچی مخطوطے۔
۳۰۔ محمد نظام الدین (حیدرآباد دکن) البیرونی کے کارنامے سائنس میں۔
۳۱۔ ہیرولڈ لامب (برطانیہ) سمرقند میں تیموری عہد کے اواخر کے تبدل پذیر ثقافتی اثرات۔
۳۲۔ اے مختاروف (روس) زرفشاں دریا کے بالائی حصے میں بابر کے نام کا ایک کتبہ۔
۳۳۔ اومیاکوف (روس) پندرھویں صدی عیسوی کے آغاز پر وسطی ایشیا کے مغربی یورپ سے تعلقات۔
۳۴۔ جو دالماس۔ قصۂ یوسف مؤلفہ علی، البخاری تاتاریوں کا ایک علمی کارنامہ
۳۵۔ عمر لطفی بارکان (ترکی) مسجد سلیمانیہ استنبول اور اسکے اوقاف کی تعمیر کا انتظام۔
۳۶۔ جی ینشکے (جرمنی) اتاترک نے جمہوریت کا منصوبہ کب تیار کیا؟
۳۷۔ عزیز احمد (مقیم لندن) سید احمد خاں و جمال الدین افغانی کا اثر جدید ہندی مسلمانوں
کے تصورات سیاسی پر۔
۳۸۔ شیخ عنایت اللہ (پاکستان) عربوں کا عمل دخل افریقا میں۔

مطبوعات جدیدہ

دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب — علامہ محمد معین سندھی ۱۱۶۱ھ، بخط ٹائپ بہتحا یا نجوے زیادہ،
ناشر لجنۃ احیاء الادب السندھی، کراچی۔ قیمت ۱۲ روپئے۔

غیر منقسم ہندوستان میں اسلام کی روشنی سب سے پہلے سرزمین سندھ میں پہنچی، اس لیے اسلامی علوم کا رواج بھی سب سے پہلے یہیں ہوا، اور دوسری ہی صدی کے آخر سے یہ خطہ ممتاز علما، علمی اور محدثین و فقہا کا مرکز بننا شروع ہو گیا، اور یہاں کے علما نے عرب ملکوں میں جا کر امتیاز حاصل کیا، اور وہاں کے بہت سے اصحاب علم و فضل نے سرزمین سندھ کا رخ کیا اور اسی کی خاک میں مدفون ہوئے، سب سے پہلے ہندوستانی زبان میں یہیں تفسیر لکھی گئی، اور کتب حدیث کی بے شمار شرحیں کی گئیں، اسلامی علوم میں سب سے زیادہ رواج یہاں احادیث نبوی اور اس کے بعد فقہ کا ہوا، سندھ کے جن علما نے فقہ و حدیث میں غیر معمولی امتیاز حاصل کیا ان ہی میں بارہویں صدی کے معروف عالم محمد معین سندھی بھی ہیں، انھوں نے دوسرے اساتذۂ علم حدیث کے ساتھ شیخ الشیوخ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کسب فیض کیا تھا، یہ ایک درجن سے زیادہ علمی و مذہبی کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں سب سے اہم زیر تبصرہ کتاب دراسات اللبیب ہے، یہ ان کی سب سے آخری تصنیف ہے۔

یہ کتاب سب سے پہلے ۱۲۸۴ھ میں لاہور میں چھپی، لیکن اس کا چرچا خواص علما میں اس سے پہلے ہو چکا تھا، چنانچہ شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب تحفۂ اثنا عشریہ میں اس کتاب کے ان مندرجات پر نہایت ہی سنجیدہ تنقید کی، جن میں خلفائے ثلثہ پر طعن و تشنیع ہے،

مصنف کے معتقدات میں بڑا تضاد ہے، ایک طرف وہ تفضیلی اور ائمۂ اثنا عشر کی عصمت کے قائل ہیں، دوسری طرف شافعی بھی ہیں اور تقلید کے مخالف بھی،

یہ کتاب جب تک شائع نہیں ہوئی تھی اس کے معائب سے خواص ہی واقف تھے لیکن اشاعت کے بعد عوام و خواص دونوں واقف ہوئے، اس لیے دہلی میں اس کتاب کے خلاف بڑی شورش ہوئی، اور اسکے ایک ایک باب کے جواب میں مستقل کتابیں اور چھوٹے بڑے رسالے شائع ہوئے، جن میں مولانا عبد اللطیف کی ذب ذبابات الدراسات اور ان کے معاصر مولوی ابراہیم صاحب کی القسطاس المستقیم خاص طور پر مشہور ہوئی، مصنف امام ابن تیمیہ کے بھی بڑے ناقد اور دشمن ہیں، ان کے عقائد و خیالات کے بارے میں انھوں نے اپنے استاد شاہ ولی اللہ صاحب کو ایک خط لکھ کر دریافت کیا تھا، شاہ صاحب نے امام کے عقائد و خیالات کی توضیح کی، اور ان کی طرف سے تمام غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی۔ کتاب کے ضمیمے میں یہ خط شامل ہے۔

ان نقائص کے باوجود مصنف اپنے علم و فضل اور عربی تحریر پر قدرت میں شاہ ولی اللہ صاحب کے علاوہ عام علما میں ممتاز تھے، ان کے مخصوص معتقدات سے صرف نظر کر کے کتاب خواص اہل علم کے مطالعہ کے لائق ہے۔ کتاب کی ترتیب مولانا عبد الرشید نعمانی نے دی ہے، اور آخر میں ان کا طویل مقدمہ بھی ہے جس میں مصنف کے حالات اور مندرجات پر عالمانہ بحث کی ہے۔

عرفان مخمور ۔ مرتبہ جناب حاجی یسین صادق دہلوی و ڈاکٹر پریم لال شفا دہلوی تقطیع خورد،
کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۱۰۶۔ پتہ: پریم لال شفا، صدر بازار دہلی قیمت درج نہیں۔

ڈاکٹر فضل الٰہی مخمور حضرت بیخود دہلوی کے شاگرد اور دہلی کے مشہور شاعر ہیں، عرفان مخمور ان کے کلام کا دوسرا مجموعہ ہے، اور اسے ان کے دو شاگردوں نے خوش سلیقگی سے مرتب کیا ہے، اس مجموعہ میں غزلوں کے ساتھ کچھ نعتیں اور نظمیں بھی ہیں، مخمور صاحب کے کلام میں پختگی کے ساتھ بادۂ عرفاں کی سرمستی بھی ہے،

اور وہ بادہ و ساغر کے پردے میں مشاہدۂ حق کی گفتگو کرتے ہیں، اسی لیے ان کے کلام میں بڑا سوز و اثر ہے، یہ مجموعہ بخشی غلام محمد صاحب وزیر اعظم کشمیر و جموں کے نام سے معنون ہے، موصوف اس کار خیر پر شکریہ کے مستحق ہیں کہ وہ محمود صاحب کے بچوں کی پرورش فرما رہے ہیں۔

حرف جنوں ۔ از جناب بشیر فاروق صاحب، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۱۶۸ مجلد مع گرد پوش قیمت ہے ناشر مکتبہ ناول بہادر شاہ مارکیٹ، کراچی۔

بشیر فاروق صاحب کے پہلے مجموعۂ کلام "مینائے غزل" پر معارف میں تبصرہ کیا جا چکا ہے، یہ دوسرا مجموعۂ کلام جو غزلوں، نظموں اور قطعات وغیرہ پر مشتمل اور نقش اول سے بہتر ہے، بڑے بڑے ناقدان فن نے انکے کلام کو سراہا ہے اور انکی رائیں اس مجموعہ کے آخر میں انتخاب کے عنوان سے شائع کی گئی ہیں، فاروق صاحب کے کلام میں روانی اور آمد کے ساتھ سنجیدگی پختگی اور سوز و درد مندی بھی ہے، ان کا دامن ابتذال سے پاک ہے، شروع میں بابائے اردو ڈاکٹر عبد الحق اور نیاز فتحپوری صاحب کے مختصر تبصرے اور خود شاعر کے قلم سے اپنے کلام کا تعارف ہے۔

شعرائے امروزۂ ایران ۔ از ڈاکٹر سید رغیب حسین لکچرار لکھنؤ یونیورسٹی، شائع کردہ کتابخانہ نامی ۵ ۔ ایلگن روڈ الہ آباد۔

اس کتاب میں ایران کے ۱۲ جدید شعراء فارسی کی شخصیت اور انکے کلام کا تعارف کرایا گیا ہے، اور انکے کلام کے مختصر نمونے دیے گئے ہیں، تعارف اور انتخاب کلام مختصر مگر جامع ہے، شروع میں مولف کے قلم سے فارسی میں ایک دیباچہ اور ایک پر معلومات مقدمہ ہے، جس میں ہخامنشی دور سے لیکر موجودہ دور تک کی زبان فارسی کی تاریخ اور اس کے نشیب و فراز پر گفتگو کی گئی ہے۔

لائق مولف قابل ستایش ہیں کہ اس زمانہ میں جب ہندوستان میں فارسی زبان کا ذوق روز بروز کم ہوتا جا رہا ہے، انھوں نے ایران کے دور جدید کے شعراء اور انکی شاعری کو روشناس کیا، یہ کتاب فارسی شاعری سے ذوق رکھنے والوں اور فارسی کے طلبہ کے لیے خاص طور سے مطالعہ کے لائق ہے۔

م ۔ ح

جلد ۸۶ ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۳۸۰ھ مطابق ماہ دسمبر سنہ ۱۹۶۰ء عدد ۶

مضامین